سہ ماہی

پیشوا انٹرنیشنل

لندن

اردو زبان میں لندن سے گزشتہ پانچ برس سے مسلسل شائع ہونے والا منفرد سہ ماہی رسالہ

جلد 6۔ شمارہ 4۔ اکتوبر تا دسمبر 2019ء۔ زیر ادارت رانا محمد حسن خاں

RH DREAM EVENTS LIMITED

RH Dream Weddings

TEL: 020 3674 7909 MOB: 077 9299 8973

- Venue Hire
- Decoration
- Catering
- Cutlery & Crockery
- Service Staff

BEST OFFER BEST OFFER BEST OFFER BEST OFFER BEST OFFER

Package Price

- Event Management
- Cinematic Videography
- Photography
- DJ-Dhoolchi
- Chauffeur Service

2 London Road, SM4 5BQ Morden - Surrey

Tel. 020 3674 7909 - Mob. 077 9299 8973 (Mon-Fri 10:00 - 17:00)

Email: info@rhacs.co.uk - Web: www.rhdreamweddings.com

بِسمِ اللّٰہِ الرَّحمٰنِ الرَّحِیم

چیف ایڈیٹر رانا محمد حسن خاں

نائب ایڈیٹر محمد ثاقب رشید مارکیٹنگ مینیجر رانا عبدالصمد خاں سرورق محمد سلیم انصاری

خصوصی تعاون آر۔ ایچ ایکسیڈنٹ کلیم سروسز (پرائیویٹ) لمیٹڈ

اس شمارہ میں

آیت قرآن الحکیم۔حدیث النبیؐ۔ مشعل راہ 2
اداریہ ’’اداروں میں لڑائی۔۔اللہ کا فضل ہے؟‘‘ 3
کرتار پور کاریڈور اور مولانا فضل الرحمٰن کا قادیانی سٹنٹ!! 5
فریب خوردہ شاہین 8
مشرقی پاکستان سے بنگلہ دیش تک 9
پیدا ہوا وکیل تو ’’شیطان‘‘ نے کہا۔ ۔!! 11
کائنات کی ساخت 12
’’سچائی کے ہر کردار کو پھانسی دے دو‘‘ 13
استنبول (قسطنطنیہ) میں تاریخی مقامات 15
مسلمان ریاستوں میں اقلیتوں کی حالت زار (قسط10) 18
مکہ مکرمہ (قسط3) 23
باروخ سپینوزا (Baruch Spinoza) (قسط2) 26
کیا یہ وہی دَور تو نہیں؟ (قسط4) 29
بے زبان شیطان 31
نیوٹن اور آئن سٹائین۔ایک موازنہ 32
ہومیو پیتھک نسخہ جات (بواسیر، درد شقیقہ) 35
شمائل نبوی ﷺ (قسط7) 37
آوارگانِ دشتِ خار (قسط20) گونواز گو کا نعرہ۔ جشن استقبال۔ مولوی اور ملانیاں۔ نقلی صوفی اور جھوٹے پیروں کا پول۔ مسجد شہید گنج اور ایک خوفناک سازش۔ کعبہ کی بیٹی کی بے حرمتی۔ درباری ابوجہل۔ عالمی خلافت۔ 37 40
اسلام آباد میں قحبہ خانے۔قہر خداوندی کو دعوت 45
تبصرہ کتاب۔۔۔۔۔سلیم شاد ایک گمنام فنکار!!! 46
شعر وشاعری: ناصر کاظمی۔ حسین تاج رضوی۔ عبیداللہ علیم۔ جون ایلیا مصطفیٰ زیدی۔ شباب للت۔ روہت سونی تابش۔ اکبر حمیدی۔ جہانگیر خاں۔ منیر احمد باجوہ۔ بشیر بدر۔ اسرار الحق مجاز۔ اعزاز احمد اعزاز 48

PESHWA MAGAZINE INTERNATIONAL

E-mail. peshwaltd@gmail.com

2.London road Morden Surrey SM4 5BQ. UK

قیمت فی شمارہ 1 پاؤنڈ ... سالانہ ممبر شپ فیس برطانیہ 14 پاؤنڈ یورپ 18 یورو آسٹریلیا و امریکہ 25 پاؤنڈز

www.peshwa.co.uk

بِسۡمِ اللّٰہِ الرَّحۡمٰنِ الرَّحِیۡمِ

القرآن الحکیم: يَا أَيُّهَا الَّذِينَ آمَنُوا لَا تَتَّبِعُوا خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ وَمَن يَتَّبِعْ خُطُوَاتِ الشَّيْطَانِ فَإِنَّهُ يَأْمُرُ بِالْفَحْشَاءِ وَالْمُنكَرِ وَلَوْلَا فَضْلُ اللَّهِ عَلَيْكُمْ وَرَحْمَتُهُ مَا زَكَا مِنكُم مِّنْ أَحَدٍ أَبَداً وَلَكِنَّ اللَّهَ يُزَكِّي مَن يَشَاءُ وَاللَّهُ سَمِيعٌ عَلِيمٌ.

اے وہ لوگو جو ایمان لائے ہو! شیطان کے قدموں پر مت چلو۔ اور جو کوئی شیطان کے قدموں پر چلتا ہے تو وہ تو یقیناً بے حیائی اور ناپسندیدہ باتوں کا حکم دیتا ہے۔ اور اگر اللہ کا فضل اور اس کی رحمت تم پر نہ ہوتے تو تم میں سے کوئی ایک بھی کبھی پاک نہ ہوسکتا۔ لیکن اللہ جسے چاہتا ہے پاک کر دیتا ہے۔ اور اللہ بہت سننے والا (اور) دائمی علم رکھنے والا ہے۔ (سورۃ النور آیت ۲۲)

حدیث النبی ﷺ: عن جابرؓ انہ سمع النبی ﷺ یقول: یبعث الشیطان سرایاہ فیفتنون الناس فاعظمھم عندہ منزلتہ اعظمھم فتنۃ۔ (صحیح مسلم۔ جلد ۱۴۔ شائع کردہ نور فاؤنڈیشن۔ حدیث نمبر (۵۰۱۹) ۱۰۷/۷۔ کتاب صفۃ القیامۃ والجنۃ والنار)

حضرت جابرؓ بیان کرتے ہیں کہ انہوں نے نبی ﷺ کو فرماتے ہوئے سنا۔ شیطان اپنے لشکر بھیجے گا اور وہ لوگوں میں فتنہ ڈالیں گے۔ ان میں سے اس کے نزدیک سب سے زیادہ صاحبِ منزلت وہ ہوگا جو سب سے بڑھ کر فتنہ پرداز ہوگا۔

مشعلِ راہ: مولانا مودودی صاحب مرحوم نے لکھا تھا: ”رسولِ خدا کی ایک پیشگوئی جسے امام شاطبیؒ نے موافقات میں اور مولانا اسماعیل شہیدؒ نے منصبِ امامت میں نقل کیا ہے، اس کو تجدید و احیائے دین کے ذریعے جب نوجوان قوّتوں کے سامنے لایا گیا تو اُن کی آنکھیں کُھل گئیں۔ اس حدیث مبارکہ میں پہلے دورِ نبوّت کے نظامِ رحمت کا ذکر ہے، پھر خلافتِ راشدہ علیٰ منہاج النبوّت کا، پھر ملکِ عضوض، پھر ملکِ جبر کا اور آخری پانچویں زمانے کے متعلق یہ مژدہ ہے کہ "ثم تکون خلافتہ علیٰ منہاج النّبوّۃ تعمل فی الناس بسنتہ النبی و قلقی الاسلام بحبرانہ فی الارض یرضی عنہ ساکن السماء و ساکن الارض لا قدع السماء من قطر الاصبتہ مدرارا ولا قدع الارض من نیا تھاو برکلھا شئیاًالا اخر جتہ۔" ترجمہ: پھر وہی خلافت بطریق نبوّت ہوگی جو لوگوں کے درمیان نبی کی سُنّت کے مطابق عمل کرے گی اور اسلام زمین میں پاؤں جمائے گا۔ اس حکومت سے آسمان والے بھی خوش ہوں گے اور زمین والے بھی۔ آسمان دل کھول کر اپنی برکتوں کی بارش کرے گا اور زمین اپنے پیٹ کے سارے خزانے اُگل دے گی۔“ مودودی تشریح کرتے ہوئے مزید لکھتے ہیں:۔

”تمام قرائن بتارہے ہیں کہ انسانی تاریخ تیزی کے ساتھ اُس کی طرف (پانچویں دور کی طرف) بڑھ رہی ہے۔ انسانی ساخت کے سارے اِزم آزمائے جاچکے ہیں اور بُری طرح ناکام ہوئے ہیں۔ آدمی کے لیے اب کوئی چارہ نہیں کہ تھک ہار کر اسلام کی طرف رجوع کرے۔ عالمگیر حد تک اس دور کے آنے سے پہلے مختلف اقوام اور خطوں میں نظامِ حق کی تجدید ہوسکتی ہے۔ اور یہ کہ اس طرح کا کام کرنے والی مختلف تحریکیں کش مکش کرکے وہ ماحول تیار کریں گی۔ جس میں ملّت اسلامیہ کا وہ کامل لیڈر پیدا ہو جسے الامام المھدی کے لقب سے متعارف کرایا گیا ہے۔“ (المودودی از نعیم صدیقی صفحہ ۲۵۵)

اداریہ

اداروں میں لڑائی ۔۔ اللہ کا فضل ہے؟

گزشتہ برس ۲۰۱۹ء وطن عزیز میں اچھائیوں کے کم اور برائیوں کے مزید پودے لگا گیا۔ سیاستدانوں اور جرنیلوں کی لڑائی تو کئی دہائیوں سے جاری و ساری ہے، مگر ججوں نے بھی کم از کم چوتھی بار اپنی قوت کا ناجائز و غیر اخلاقی مظاہرہ کر کے بتا دیا ہے کہ وہ بھی ریسلنگ کرنا جانتے ہیں اور امپائر کی چشم پوشیوں اور اشاروں کی زبان کو خوب سمجھتے ہیں (اسی طرح ایک ایمپائر کی دبی دبی چشم کے ایک اشارے نے سیاست کے نامور پہلوان کی آنکھوں کے چراغ ہی نہیں زندگی کی شمع بھی گل کر دی تھی)۔ وفاقی وزیر سائنس اینڈ ٹیکنالوجی جناب فواد چوہدری صاحب نے پارلیمان سے خطاب کرتے ہوئے بالکل درست اور حقیقی برائی کا نقاب اتارتے ہوئے بڑے درد سے کہا ہے کہ:۔

''پاکستان کا مسئلہ یہ ہے کہ ادارے باہم دست و گریبان ہیں۔ تمام ادارے نہ تو تمام معاملات میں قصوروار ہیں اور نہ ہی بے قصور ہیں۔ پرویز مشرف کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہیں ٹانگ دو اور اپنے پی سی او ججز کے بارے میں کہا جاتا ہے کہ انہیں رہنے دو، وزیر اعظم بھی ایک ادارہ ہے، اس کا احترام بھی لازم ہے۔'' (روزنامہ جنگ۔ لندن۔ یکم جنوری 2020)

جناب فواد چوہدری کا یہ تجزیہ پاکستانی قوم کو پیش آنے والے سنگین حالات کا عکاس ہے۔ سابق صدر جنرل (ر) پرویز مشرف سے انتقام لینے کے چکر میں پوری قوم یرغمال بنائی جا چکی ہے۔ خصوصی عدالت کے فیصلے نے پاکستانی قوم کے سر عالمی برادری کے سامنے شرم سے جھکا دیے ہیں۔ یہ بھی سچ ہے کہ جنرل آصف غفور نے یہ کہہ کر کہ ''سابق صدر جنرل (ر) پرویز مشرف کسی بھی صورت میں غدار نہیں ہو سکتے''، اس فیصلے کی اہمیت دو کوڑی کی ثابت کر دی ہے مگر افواج پاکستان کی توہین ضرور ہوئی ہے۔ پینتالیس برس تک وطن کی خدمت کرنے والا سابق آرمی چیف اگر غدار ہے اور سزائے موت کا بھی مستحق ہے اور ایسا قابل نفرت غدار ہے جس کی لاش کو مرنے کے بعد گھسیٹنا اور تین دن تک ڈی چوک میں لٹکانا ضروری ہے تو پھر جرنیلوں پر اعتبار کرنا بڑی بھیانک بات ہے۔ ہمیشہ آمروں کے شب خون مارنے کو قانونی تحفظ فراہم کرنے میں سب سے پہلے جو ادارہ سرگرم ہوتا ہے وہ عدلیہ ہے۔ بہت کم ایسے صاحب کردار اور باضمیر جج ہوتے ہیں جو آمر کے روبرو گردن جھکانے کو بدترین گناہ سمجھتے ہیں۔ اکثریت ایسے ججوں کی ہوتی ہے جو آمر کے ایک اشارے پر اپنے ایمان اور ضمیر کا گلا گھونٹ دیتے ہیں۔ اگر پاکستانی عدلیہ کی تاریخ پر نظر ڈالی جائے تو معلوم ہوگا کہ کوئی بھی بڑا فیصلہ ججوں کی اکثریت خود سے نہیں کر سکی ہے۔ بھٹو کی پھانسی ہو یا سیاستدان کو گھر بھیجنے کے فیصلے، دہشت گردوں کے متعلق فیصلے ہوں یا اشرافیہ کے قاتل بچوں کے فیصلے وغیرہ وغیرہ آزادی سے کرنے کی کسی جج میں جرأت نہیں ہے۔

اب صرف دو ہی صورتیں ہو سکتی ہیں پہلی صورت یہ ہو سکتی ہے کہ عدلیہ مکمل طور پر مادر پدر آزاد ہو گئی ہے اب اسے کسی کی جنبش چشم کی ضرورت نہیں رہی۔ دوسری صورت یہ ہو سکتی ہے کہ جس طرح سابق صدر جنرل (ر) پرویز مشرف کے پاؤں کے نیچے سے جنرل کیانی نے سابق چیف جسٹس افتخار کی

قارئین پیشوا انٹرنیشنل کو ادارہ پیشوا کے منتظمین کی جانب سے نیا سال بہت بہت مبارک ہو۔

مدد سے قالین کھینچ لیا تھا، اسی طرح کوئی ان دیکھی قوت آرمی چیف جنرل باجوہ سے اپنی جان چھڑانا چاہتی ہے۔دوسری صورت نہایت خطرناک ہوسکتی ہے۔اور اداروں کا ایک دوسرے کو نیچا دکھانے کی کوشش کرنے سے سوائے ملک کو نقصان پہنچانے اور عوام کو مزید بدحال کرنے کے کچھ حاصل نہیں ہوگا۔

وطن عزیز میں اشرافیہ کے کرپٹ اور بے ایمان افسروں کے سر پر ہاتھ رکھنے کی وجہ سے غریب عوام غربت کی دلدل میں دھنستی جا رہی ہے۔جب تک اشرافیہ میدان میں آکر کرپٹ سیاستدانوں، جنرلوں، مذہبی لیڈروں اور افسروں کے گریبان نہیں پکڑتی تب تک قوم کی سوچ بدلے گی اور نہ خوشحالی آئے گی۔قوم کی سوچ جاہلانہ ہو جائے تو ہر قسم کی ترقیات کے دوازے بند ہو جاتے ہیں۔سعادت حسن منٹو نے بہت پہلے جاہلانہ سوچ کی عکاسی کرتے ہوئے کہا تھا:۔

”صاحبان میں سائنس کا ذکر کرنا تو بھول ہی گیا۔۔۔یہ ادب کی بھی خالہ تھی۔خدا محفوظ رکھے اس بلا سے،نعوذ باللہ اس فانی دنیا کو جنت بنانے کی فکر میں تھے۔یہ لوگ جو خود کو سائنسدان کہتے تھے۔ملعون کہیں کے۔خدا کے مقابلے میں تخلیق کے دعوے باندھتے تھے۔ہم مصنوعی سورج بنائیں گے جو رات کو تمام دنیا روشن کردے گا۔ہم جب چاہیں گے بادلوں سے بارش برسا لیا کریں گے۔۔۔ذرا غور فرمائیے،نمرود کی خدائی تھی، جی اور کیا؟ سرطان جیسی لاعلاج اور مہلک بیماری کا علاج ڈھونڈا جا رہا ہے،یعنی ملک الموت کے ساتھ پنجہ لڑانے کی سعی فرمائی جا رہی ہے،ایک صاحب ہیں وہ دوربین لیئے بیٹھے ہیں اور دعوے کر رہے ہیں کہ وہ چاند تک پہنچ جائیں گے۔ایک سر پھرے بوتلوں اور مرتبانوں میں بچے پیدا کر رہے ہیں۔خدا کا خوف ہی نہیں رہا تھا پاجیوں کو۔۔۔۔۔اللہ کا بڑا فضل ہے کہ یہ سب شیطان ہمارے درمیان سے اٹھ گئے۔اب چاروں طرف سکون ہے۔کوئی ہنگامہ نہیں،کوئی واردات نہیں،کوئی شاعر نہیں،کوئی مصور نہیں،زندگی یوں گزر رہی ہے،جیسے گزر ہی نہیں رہی،قلب کیلیئے یہ کتنی اطمینان دہ چیز ہے،لوگ پیدا ہوتے ہیں،مرجاتے ہیں،کسی کو کانوں کان خبر نہیں ہوتی۔زندگی سے لے کر موت تک ایک بے آواز،صاف شفاف دھارا بہا چلا جا رہا ہے۔کوئی بھنور ہے نہ بلبلہ،لوگ دونوں کناروں کے ساتھ ساتھ ٹھنڈی ٹھنڈی ریت پر لمبی تانے سو رہے ہیں اور کیوں صاحبان! کیا جی نہیں چاہتا کہ اسی طرح سوئے رہیں،حتیٰ کہ جنت میں دودھ کی نہروں کے کنارے ہماری آنکھیں کھلیں۔۔۔۔۔اوپر دیکھیں تو انگور کے خوشے جھک کر ہمارے منہ میں آجائیں اور ہم پھر سو جائیں۔“

توجہ فرمائیں

پیشوا ادارہ کا کسی بھی سیاسی جماعت سے تعلق نہیں ہے۔پیشوا ادارہ تمام سیاسی و مذہبی شخصیات کا تہہ دل سے احترام کرتا ہے مگر ان کے غلط نظریات اور افکار کو بیان کرنے کی قارئین کو اس غرض سے اجازت دیتا ہے تاکہ متذکرہ شخصیات اپنی اصلاح کر سکیں۔اگر کوئی شخص سمجھے کہ اسے غلط طور پر تنقید کا نشانہ بنایا گیا ہے تو وہ بھی حق رکھتا ہے کہ وہ بھی ناقدین کی اصلاح کے لئے اپنا موقف پیش کرے اور ادارہ ایسے مضامین کو شائع کرنا اپنا فرض سمجھتا ہے۔ادارہ پیشوا بلا تفریق مذہب و ملّت خدمت کا دعوے دار ہے۔سبھی رسالہ میں اپنے افکار اور خیالات کا اظہار کرنے کا حق رکھتے ہیں۔ادارہ پیشوا اُن تمام قلمکاروں کو دعوت دیتا ہے جو سمجھتے ہیں کہ وہ لکھنے کی صلاحیت رکھتے ہیں۔ادارہ اپنے قارئین کی آراء اور مشوروں کا منتظر ہے۔معزز قارئین کی تجاویز کا خیر مقدم کیا جائے گا اور قارئین کی آراء پر نہ صرف غور کیا جائے گا بلکہ قابل عمل تجاویز پر عمل بھی کیا جائے گا۔انشاءاللہ۔

(چیف ایڈیٹر پیشوا انٹرنیشنل۔لندن)

کرتار پور کاریڈور اور مولانا فضل الرحمٰن کا قادیانی سٹنٹ!!

(تحریر: نجم الثاقب کاشغری۔آسٹریلیا)

پاکستانی سیاستدان (اور ان کے چاہنے والے) اس لحاظ سے خود کو بڑے خوش قسمت سمجھتے ہیں کہ مخالفین کو بدنام کرنا ہو، انہیں نیچا دکھانا ہو، شکست فاش دینی ہو (خواہ الیکشن میں یا میڈیا کے کسی فورم میں) تو اس کا آسان ترین اور تیر بہدف نسخہ یہ ہے کہ ان پر قادیانی (یعنی احمدی) یا قادیانی نواز ہونے کا الزام لگا دو۔کسی اور دلیل کی ضرورت ہی نہیں۔بلکہ یہ تو ایک تیر سے دو شکار کرنے کا ایسا نسخہ ہے جو دنیا بھر میں کسی دوسرے ملک کے سیاستدانوں کو میسر نہیں ہے۔

قادیانی یا قادیانی نواز ہونے کا الزام لگا کر اپنے مخالف کو نہ صرف بدنام کیا جاتا ہے بلکہ اس کے منطقی نتیجے کی بھی توقع اور امید لگائی جاتی ہے کہ اب ان کا مخالف اعلانیہ ہر فورم پر احمدیوں پہ لاکھ لاکھ لعنت بھی بھیجے گا اور احمدیوں پر (جو کہ پاکستان میں آٹے میں نمک سے بھی کم ہیں اور انہیں نت نئے قوانین اور آئینی ترامیم کے ذریعہ ایک ایسے مقام پہ پہنچا دیا گیا ہے جو ان سے اس ملک کے شہری ہونے کا ہر حق بھی چھین چکا ہے) مزید نئی قسم کے ظلم ڈھانے کی تجاویز پیش کر کے یا قوانین بنا کر یہ ثابت کرنے کی کوشش کرے گا کہ دیکھو میں بھلا کہاں کا قادیانی نواز، میں نے تو ان کے لئے یہ نئی قسم کا ایسا عذاب تیار کیا ہے جو مجھ سے پہلے کسی سیاستدان یا قانون ساز کو سوجھا ہی نہیں تھا۔ذوالفقار علی بھٹو اور جنرل ضیاء الحق سے لے کر عمران خان تک اسی ڈرامے کو کھیلتے چلے آئے ہیں۔

یہ سب جانتے ہیں کہ احمدی عددی لحاظ سے اقلیت میں ہیں۔مزید برآں نہ وہ خود کش حملے کرتے ہیں، نہ جلسے جلوس نکالتے ہیں نہ توڑ پھوڑ کرتے ہیں، نہ ہی ٹارگٹ کلنگ، اس لئے جو چاہے کروان کے ساتھ کھلی چھٹی ہے۔بلکہ قابل ثواب کام بھی ہے اور اقتدار پر براجمان رہنے کا بھی آسان ترین ذریعہ ہے۔

جمیعت العلماء پاکستان (ف) کے سربراہ مولانا فضل الرحمٰن صاحب نے کرتار پور راہداری کھلنے پر جس طرح سے اس قادیانی کارڈ کو کھیلا اسے قارئین اچھی طرح جانتے ہیں۔

مولانا صاحب موصوف نے لگ بھگ ایک برس قبل بھی اسی قسم کی گل افشانی کی تھی۔ایک جلسہ میں تقریر کرتے ہوئے انہوں نے "انکشاف" کیا تھا کہ کرتار پور راہداری دراصل قادیانیوں کو سہولت دینے کے لئے کھولی جا رہی ہے۔ہندوستانی قادیانی اس راہداری کو ربوہ میں اپنے جلسہ سالانہ میں شرکت کے لئے استعمال میں لائیں گے۔آپ نے فرمایا تھا:۔

’’کوریڈور کھولا کہاں جا رہا ہے؟،گورداس پور کے لئے۔اور یہ سڑک کرتار پورہ سے گزرتے ہوئے قادیان پہ جا کر رکتا ہے۔نام سکھوں کا لے رہے ہو، راستہ قادیانیوں کو دے رہے ہو۔اور قادیانی اپنی خوشی کا اظہار کر چکے ہیں کہ اب جبکہ پاکستان میں ربوہ میں ہمارا جلسہ ہوگا تو ہم آسانی کے ساتھ اس جلسہ میں شریک ہوسکیں گے۔یہ ہیں اصل حقائق۔ہندوستان کے اور قادیان کے قادیانیوں کو پاکستان میں کھلے بندوں آنے کے راستے فراہم کرنا اور اس کے لئے نام لینا کوریڈور کا اور فرنٹ پہ رکھنا سکھوں کو!،یہ چالیں نہیں چلیں گی۔پاکستان اس طرح نہیں چلنے دیا جائے گا‘‘۔

قارئین! مولانا صاحب موصوف ایک معروف قومی سیاسی اور مذہبی شخصیت ہیں۔ان کے بیان کردہ اصل حقائق کی حقیقت کیا ہے وہ خود اسے اچھی طرح سے جانتے ہیں۔اس پر تبصرہ کئے بغیر صرف اتنا کہنا (یا پوچھنا) کافی ہے کہ آج سے پانچ برس قبل کرتار پور راہداری کا منصوبہ جب مولانا صاحب کی حلیف سیاسی جماعت مسلم لیگ (ن) کی جانب سے پیش کیا گیا تھا تو اس وقت مولانا صاحب موصوف کو یہ سڑک قادیان تک جاتے ہوئے کیوں نہ دکھائی

دی تھی۔اور کیوں ان کی چشمِ تصور اس سڑک پر ہندوستان اور قادیان کے قادیانیوں کو ربوہ تک آتے جاتے نہیں دیکھ پائی تھی۔نون لیگ کی طرف سے پیش کردہ اس منصوبہ کے اعلان کے بعد جناب نے کیوں پاکستان کو اسی طرح چلتے رہنا منظور فرمالیا تھا؟

وجہ صرف یہی ہوسکتی ہے کہ عمران خان کی دشمنی نے ان کی آنکھوں ہی نہیں، یادداشت اور عقل پر بھی پردہ ڈال دیا ہے۔

معروف صحافی حامد میر نے اپنے پروگرام کیپٹل ٹاک بموٴرخہ 26 نومبر 2018ء کو مسلم لیگ (ن) کے ممبر جناب سردار رمیش سنگھ اروڑا رکن پنجاب اسمبلی کا ایک وڈیو کلپ چلایا جو " کیپیٹل ٹاک "پروگرام ہی کا تھا اور جو 16 جولائی 2013 کو نشر ہوا تھا۔اس پروگرام میں اروڑا جی نے تفصیل سے کرتار پور راہداری منصوبہ پر روشنی ڈالتے ہوئے بتایا تھا کہ کرتار پور سکھوں کے لئے کس قدر اہمیت کا حامل ہے۔آپ نے بتایا کہ ''کرتار پور کا مطلب ہے اللہ تعالیٰ کا نگر۔کرتار پور جو سٹی ہے اس کو ہم نے ڈیولیپ کرنا ہے۔ یہ انڈین بارڈر سے صرف تین کلومیٹر کے فاصلے پر ہے۔وہاں پر انڈین سنگت آتی ہے،وہ دو تین کلومیٹر دور کھڑی ہوکر (عبادت) کرکے چلی جاتی ہے لیکن ان کو گردوارہ صاحب میں آنے کی اجازت نہیں۔۔ابھی اس گورنمنٹ میں جو میاں صاحب کے ساتھ بھی ملاقات میں یہ بات زیر بحث آئی تھی کہ ہم نے ایک پیس کوریڈور وہاں پر بنانا ہے کہ انڈین سنگت آسانی کے ساتھ یہاں آئے، ماتھا ٹیک کر یہاں جو بھی رسومات ہیں وہ ادا کرے اور واپس چلی جائے۔یہ ہمارا پلان ہے۔۔''۔

یہی نہیں،محترم سردار رمیش سنگھ اروڑا صاحب نے کرتار پور کوریڈور کھلنے بعد جب احتساب عدالت میں میاں نواز شریف صاحب کی ایک پیشی پر ان سے ملاقات کی تو میاں صاحب نے سردار صاحب کو کرتار پور راہداری کے افتتاح پر مبارکباد بھی دی۔اس کا انکشاف سردار جی نے "انڈی پینڈینٹ اردو''نیوز کو انٹرویو دیتے ہوئے کیا۔آپ نے کہا کہ ان کا تعلق مسلم لیگ ن سے ہے اور بطور سیاسی کارکن وہ سمجھتے ہیں کہ کرتار پور بارڈر کھولنے کی کوشش میاں نواز شریف دور میں بھی ہوئی''۔ https://www.independenturdu.com/node/20981

سردار صاحب موصوف کا کہنا بالکل بجا ہے۔سب سے پہلے کرتار پور کاریڈور بنانے کا فیصلہ سنہ 1998ء میں کیا گیا تھا جب کہ میاں صاحب وزیر اعظم تھے۔(https://www.bbc.com/urdu/pakistan-45747432).

سردار رمیش سنگھ اروڑا اور نواز شریف

مزید سنیئے سردار صاحب نے یہ بھی بتایا کہ کرتار پور بارڈر کھولنے کی بات بینظیر بھٹو کے دور اقتدار میں بھی ہوئی تھی۔یاد رہے کہ بینظیر کے دوسرے دور اقتدار میں مولانا صاحب محترمہ کے حلیف تھے۔گویا اس حمام میں باقی ساروں کے ساتھ مولانا صاحب بھی ننگے ہیں۔

یہ حقائق مولانا صاحب کا اصل چہرہ عوام کو دکھانے کے لئے کافی ہیں۔مولانا صاحب 1998ء سے لیکر اب تک ان تمام برسوں کے دوران کرتار پور کاریڈور میں ہندوستان اور قادیان کے قادیانیوں کو اپنی چشمِ تصور سے ربوہ تک آتا جاتا دیکھتے تھے لیکن اس پر انہوں نے غالباً اس لئے پاکستان کے غیور مسلمانوں کی حمیت بیدار کرنے کی زحمت گوارا نہ فرمائی کہ موصوف مذکورہ حکومتوں کے حلیف تھے اور فیڈرل منسٹر کی مراعات اور تنخواہ پہ گلچھرے اڑایا کرتے تھے۔

جہاں تک احمدیوں کے حوالہ سے مولانا صاحب کی اپنی غیرت دینی اور قوت ایمانی کا تعلق ہے تو اس کا اندازہ بی بی سی اردو کی دی گئی مندرجہ ذیل خبر سے لگایا جا سکتا ہے:" یکم فروری 2007ء کو لاہور کے ایک مہنگے نجی طبی ادارے ڈاکٹرز ہسپتال میں مولانا کے دل کا معائنہ ہوا تو پتہ چلا کہ ان کے دل کی کی ایک شریان بند ہے۔وزیر اعلیٰ پنجاب پرویز الٰہی کے ذاتی دوست اور معالج ڈاکٹر مبشر احمد کو امریکہ سے بلوایا گیا کہ وہ مولانا کے دل کے دل کی ڈاکٹرز ہسپتال میں دل کی انجیو

پلاسٹی کریں۔انہوں نے کامیابی سے مولانا کے دل میں سٹنٹ ڈالے۔

پرویز الٰہی نے مولانا سے بے تکلف باتیں کیں۔عینی شاہدین کا کہنا ہے کہ وزیراعلیٰ پنجاب نے مولانا کے دل کی سرجری کے بعدان سے کہا کہ ُاب آپ کٹے کھانے چھوڑ دیں'۔پنجاب میں نوجوان بھینسے کو کٹا کہتے ہیں۔

پرویز الٰہی نے پریس سے بات کرتے ہوئے کہا کہ مولانا سے ان کے خاندان کے دیرینہ تعلقات ہیں اور جب انہیں معلوم ہوا کہ ان کی طبعیت ناساز ہے اور وہ انجیوگرافی کرانا چاہتے ہیں تو انہوں نے مولانا کو دعوت دی کہ وہ علاج کے لیے لاہور تشریف لائیں۔

امریکہ سے خصوصی طور پر آنے والے معالج ڈاکٹر مبشر احمد کے سرجری کرنے سے مولانا فضل الرحمٰن تو ہشاش بشاش ہوگئے لیکن اسی دوران میں سوئے اتفاق سے ڈاکٹر مبشر احمد کے والد چودھری اسلم احمد ڈسکہ میں انتقال کرگئے۔ وصیت کے مطابق ان کی تدفین چناب نگر (ربوہ) میں احمدیہ قبرستان بہشت خضریہ(بہشتی مقبرہ۔ناقل) میں کی گئی۔

مولانا قائد حزب اختلاف تو ہیں لیکن سرکاری مہمان نوازی سے لطف اندوز ہونا پسند کرتے ہیں۔ وہ ایک ایسی جماعت کے سربراہ ہیں جو احمدیوں کے خلاف مہم چلانے والوں میں پیش پیش ہے لیکن وہ اپنا علاج اسی مسلک سے تعلق رکھنے والے معالج سے کراسکتے ہیں۔

بی بی سی اردو:وقتِ اشاعت: February, Tuesday, 06 PST10:14GMT10:2007, 09

ڈاکٹر مبشر احمد صاحب مبینہ طور پر امریکی صدر جارج ڈبلیو بُش کے بھی معالج رہ چکے ہیں۔

اخباری ذرائع کے مطابق مولانا صاحب کو حج کے دوران طواف کرتے ہوئے سینے میں درد محسوس ہوا تھا۔ایک قادیانی سے اپنا مسئلہ بیان کیا اور علاج کروایا۔ختم نبوت کی غیرت ہوتی تو مولانا مفتی محمود کا یہ بیٹا مرجاتا وہیں مکہ میں بجائے اس کے کہ کسی قادیانی کے "ناپاک"ہاتھوں میں اپنا دل دیتا۔

مولانا صاحب کیا کوئی آپ سے یہ پوچھنے کی جراٴت کرسکتا ہے کہ نام لیتے ہو علاج کا اور اس کی آڑ میں دیتے ہو ایک قادیانی کے ہاتھوں میں اپنا دل تا کہ ہشاش بشاش ہو جاؤ اور فرنٹ پہ رکھتے ہو چوہدری پرویز الٰہی کو؟؟۔

خود ہشاش بشاش ہونے کے لئے تو قادیانی سٹنٹ (Stent) سے کم پر راضی نہیں ہوتے لیکن دوسروں پر قادیانی نواز ہونے کے الزام لگا کر انہیں سیاسی انیجائینا میں مبتلا کرتے ہو؟؟۔اس طرح کے "سٹنٹ"(Stunt) اور چالیں نہیں چلیں گی۔

آپ کے چاہنے والے اعتراض کرسکتے ہیں کہ علاج کروانا مولانا صاحب کا حق تھا اور ہے۔وقت کے ایک بہترین معالج سے،خواہ اس کا مسلک کوئی بھی ہو،علاج کروانے کا موقعہ مل رہا ہو تو اس میں کیا حرج ہے۔ڈاکٹر مبشر احمد صاحب نے کون سا مولانا کو احمدیہ ملفوظات پڑھ پڑھ کر سنانے تھے،ایک پروفیشنل کی حیثیت سے اپنا کام کرنا تھا اور کیا بھی۔اگر ایسا ہے تو پھر سوال پیدا ہوتا ہے کہ جب پاکستان کے وزیراعظم نے ملکی معیشت کی بندشریانیں کھلوانے کے لئے ایک احمدی میاں عاطف کی خدمات بطور پروفیشنل اکانومسٹ حاصل کرنے کا اعلان کیا،تو اس اقدام کے خلاف انہی مولانا صاحب نے پورے ملک میں ایک قیامت خیز قسم کی تحریک چلانے کا اعلان کیوں کردیا تھا؟ عاطف میاں نے کون سا ملکی کابینہ کو احمدیہ ملفوظات پڑھ پڑھ کر سنانے تھے؟۔

ایک قادیانی سے اپنا علاج کروانا حلال اور دوسرے قادیانی سے پورے ملک کا علاج کروانا حرام کیسے قرار دیا جاسکتا ہے۔خودغرضی اور ملک دشمنی، عوام دشمنی کی بھی کوئی حد ہوتی ہے۔

پس یہ محض دوہرے معیار،منافقت اور تلبیس کی چالیں ہیں،اور کچھ نہیں جو مولانا صاحب موصوف کو پوری دنیا کے سامنے ننگا کرچکی ہیں۔غالبًا اسی ننگ کو چھپانے کی خاطر مبینہ طور پر وہ یورپ میں ایک انڈرویئر چوری کرنے پر مجبور ہوگئے تھے لیکن افسوس کہ وہ انڈرویئر بھی آپ سے چھین لیا گیا تھا۔

اصل حقائق یہی ہیں کہ قریباً دودہائیوں کے بعد آپ کی سرکاری مہمان نوازی موجودہ حکومت میں چونکہ یک لخت ختم ہو چکی ہے اور چوہدری پرویز الٰہی کے الفاظ میں آپ کے "کٹے کھانے کا سلسلہ"بند ہوگیا ہے بھوک

کی شدت میں اس طرح کے سٹنٹ دکھا رہے ہیں۔

مولانا صاحب آپ کے دل میں خدا کا خوف کتنا ہے، وہ تو آپ اور آپ کے خدا کا آپس کا اور روزِ قیامت کا معاملہ ہے، لیکن اس دنیا کی زندگی میں جبکہ آپ کا واسطہ آپ جیسے ہی گوشت پوست کے ہزاروں لاکھوں سادہ لوح انسانوں سے پڑتا ہے جو آپ کی باتیں سننے کے لئے اپنا وقت اور پیسہ قربان کرتے ہیں تو بیان بازی کرتے ہوئے ایک مذہبی سیاسی جماعت کے سربراہ ہونے کی حیثیت سے ارشادِ قرآنی "وَلَا تَلْبِسُوا الْحَقَّ بِالْبَاطِلِ" کو ملحوظ رکھنا تو آپ کا فرضِ اولین بنتا ہے۔

اللہ تعالیٰ آپ سمیت جملہ پاکستانی سیاستدانوں کو اس پر عمل کرنے کی توفیق عطا فرمائے، آمین۔

''فریب خوردہ شاہین'' (کالم نگار: ڈاکٹر محمد خالد مسعود)

مسجدیں، امام بارگاہیں، مدرسے، اسکول اور یونیورسٹیاں نفرت و انتقام کی بارُود سے لہولہو ہیں تو اسپتالوں اور بازاروں میں عفت مآب خواتین اور بچوں کی لاشیں بکھری پڑی ہیں۔ نہ نمازی محفوظ ہیں، نہ امام، نہ عورتیں مامون ہیں نہ بچے نہ بزرگ، نہ قبروں کو اماں ہے نہ مدفونوں کو۔ ہمارے واعظ سراپا گفتار اور شعلہ مقال ہوگئے ہیں۔ ہمارے ناصح فرقہ بندی اور کافرگری کی دُھن میں تارکِ آئین رسولِ مختار کیوں ہوتے جا رہے ہیں۔ پوری ملت ختم رُسل شعلہ بہ پیراہن کیوں ہے۔ ارضِ پاک کی حُرمت پر کٹ مرنے والے نفرت کی فصل کیوں کاٹ رہے ہیں۔ ایسا کیوں ہے کہ ہمارے دِل قلت سوز سے محروم ہیں اور ہماری رُوح زیاں کار اور سود فراموش ہے۔ بُلبل کے نالے بھی اس کی خاموشی کے سکوت مرگ کو کیوں نہیں توڑتے۔

پھر سوچتا ہوں کہ میں کہیں عجلت پسند تو نہیں، میں بے صبری کا اظہار تو نہیں کر رہا۔ قوموں تو کرب و بلا سے گزرتی ہی رہتی ہیں۔ کہیں ایسا تو نہیں کہ ہماری درسگاہوں نے سچ اور سوچ کا گلا گھونٹ دیا ہے۔ اسکولوں میں دونی دونی کے پہاڑوں کے شور میں، مدرسوں میں ضرب یضرب کی گردانوں کی تکرار میں اور خانقاہوں میں اللہ ہُو کی ضربوں کی گونج میں **لا الہ الا اللہ** کی صدا سُنائی نہیں دے رہی۔

اقبالؔ سے معذرت کے ساتھ کہ ہم پر خودفریبی کی نیند طاری ہے۔ اس کی بانگِ درا اس قافلے کو بیدار نہیں کر پا رہی۔ اس کی بالِ جبریل ہمارے انفس وآفاق میں کہیں گم ہوگئی ہے۔ اب کے پَر تو موجود ہیں لیکن طاقت پرواز نہیں رہی۔ یہ فریب خوردہ شاہین اب چٹانوں سے اُتر آیا ہے۔ طائر لاہوتی کی نگاہ دُوربین کمزور ہوچکی ہے۔ اب کسی بھی رزق سے نہ موت کا ڈر ہے نہ پرواز میں کوتاہی کا خوف۔ ارمغانِ حجاز میں نہ نغمہ ہندی سنائی دیتا ہے نہ حجازی لے۔ نہ عرب ہمارا رہا نہ چین۔

میں اقبالؔ سے معافی مانگنا چاہتا ہوں کہ نہ اب میرا نالہ بے باک رہا ہے اور نہ اِس میں آسمان چیرنے کی ہمت ہے۔ میرے شکووں پر نہ گردوں توجہ دیتا ہے، نہ چاند ستارے۔ اب تو اِس جنّت سے نکالے کو نہ رضوان پہچانتا ہے نہ فرشتے۔ ان کے تبسم ہائے پنہائی سے طنز نمایاں ہے کہ اس مسجد و ملا تک کو خلافت راس نہیں آئی۔ یہ بھی مخلوق قدیم کی طرح خونخوار اور فسادی بن گیا ہے۔ خاک کی چُٹکی میں آگ اور بارود کا خمیر شامل ہو چکا ہے۔ عجز کے اسرار سے نامحرم مٹی کا یہ پُتلا اپنی طاقت گفتگو سے خود ہی مسحور ہو چکا ہے۔ نعروں کی توپوں کی گھن گرج میں سرمست، خودکشی کی بے خودی میں مخمور، خلافت عرضی کا یہ وارث نفرت اور تکفیر کے ہتھیاروں سے فتح عالم پر مصر ہے۔

(چیئرمین اسلامی نظریاتی کونسل ڈاکٹر محمد خالد مسعود جنگ اخبار ۳ دسمبر ۲۰۰۹)

مشرقی اُفق

مشرقی پاکستان سے بنگلہ دیش تک

میر افسر امان۔ اسلام آباد

اسلامی جمہوریہ پاکستان کے ازلی دشمن بھارت نے پاکستان کے دو ٹکڑے کر دیے۔ اور پاکستان نے پھر بھی اسے دشمن نہ سمجھا، تو دنیا پاکستان کو بے وقوف ملک کہے گی نا! پھر کیا پاکستانی حکمران پاکستان کے بے وفا نہ ہوئے؟ ۱۶؍دسمبر پاکستان ٹوٹنے کے حوالے سے آج کے کالم میں ہم اس کا تجزیہ کریں گے۔

بنو امیہ کے دور میں عرب نوجوان کمانڈر محمد بن قاسم ثقفی، سندھ کے راستے ہندوستان میں داخل ہوا تھا۔ اس کے بعد مسلمانوں نے مغل بادشاہ بہادر شاہ ظفر تک ہزار سال سے زیادہ مدت تک حکمرانی کی تھی۔ اگر ہندوستان کے مسلمان حکمرانوں کی حکمرانی کا تجزیہ کیا جائے تو مسلمان حکمرانوں نے مقامی سرداروں کو اپنے پرانے عہدوں سے نہیں ہٹایا تھا۔ جو مالیات پر کام کر رہا تھا اسے اُسی عہدے پر برقرار رکھا۔ جو انتظامیہ کو کنٹرول کرتا تھا وہ بھی اپنے منصب سے نہیں ہٹایا گیا۔ حتیٰ کہ کئی موقعوں پر مسلمان فوجوں کے کمانڈر بھی غیر مسلم تھے۔

صرف سیاسی امور پر مسلمان حکمرانوں نے کنٹرول اپنے پاس رکھا۔ مسلمانوں نے اپنے مذہبی رواداری کے مطابق ہندوستانی عوام کے مذہبی معاملات میں مداخلت نہیں کی۔ عرف عام میں عوام کی مذہبی ثقافتی اور تہذیبی آزادیوں کو برقرار رکھا گیا۔ مذہبی رواداری کی وجہ سے اسلام کے پر امن اور سلامتی والے دین میں، مقامی راجاؤں کے ستائے ہوئے کروڑوں ہندو اسلام کے دائرے میں شامل ہوئے۔ اس میں بڑا کردار بزرگان دین کا ہی تھا۔ ہندوستان نے مسلمانوں کے دور میں معاشی ترقی کی منازل طے کی تھیں۔ اس کا اندازہ ہم اس بات سے لگا سکتے ہیں کہ مغلوں کے آخری دور تک دنیا کے جی ڈی پی کا ۲۵؍فی صد ہندوستان کا کنٹری بیوشن تھا۔ سلطنت مغلیہ کے بانی ظہیر الدین بابر نے اپنے پیش رو مسلمان کی پالیسیوں پر عمل کرتے ہوئے اپنے بیٹے ہمایوں کو ہندوؤں کے مذہبی معاملات میں احتیاط کا مشورہ دیا تھا۔ اب ہٹلر کی نازی پالیسی پر عمل کرتے ہوئے بھارتیا جنتا پارٹی کے کرتا دھرتا آر ایس ایس کے متعصب ہندو بابر کی اس نصیحت کے مقابلہ میں بابر کی بنائی ہوئی بابری مسجد کو شہید کر چکے ہیں۔ مسلمان حکمران فراخ دل واقع ہوئے تھے۔ شہنشاہ اکبر نے تو انتہا کر دی۔ دین اکبری کا اجرا کر دیا۔ نورتن بنائے۔ اس سے ہندوستان میں گنگا جمنی تہذیب نے جنم لیا۔ ان وجوہات کی بنا پر مسلمان ایک بڑی ہندو اکثریت پر ہزاروں سال حکومت کرنے میں کامیاب ہوئے۔ اسی تناظر میں ہم نے مودی کے لیے ایک کالم بعنوان ”مسلمانوں نے تو آپ پر ایک ہزار سال حکومت کی، آپ سو سال تو پورے کریں“ یعنی متعصب مودی نے اب مسلمانوں کو اتنا تنگ کر دیا ہے کہ بھارتی مسلمان بھارت میں ایک اور پاکستان بنانے پر مجبور ہو رہے ہیں۔

جب پاکستان بن رہا تھا تو ہندو لیڈر رشٹ نے اپنے لوگوں کو یہ کہہ کر مطمئن کیا تھا کہ مسلمان اب تو قائد اعظمؒ کے دو قومی نظریہ کے جوش میں مگن ہیں۔ جب ان کا جوش ٹھنڈا ہو جائے گا۔ ہم قائد اعظمؒ کے دو قومی نظریہ کو آہستہ آہستہ کمزور کر کے پاکستان کو اپنے اکھنڈ بھارت میں ضم کر لیں گے۔ ہندوؤں نے اپنے سیاسی رہنما چانکیہ کی سوچ پر عمل کرتے ہوئے پاکستان بنتے ہی یہ کام شروع کر دیا گیا تھا۔ سندھ میں غلام مصطفےٰ شاہ (جی ایم سید) الطاف حسین، خیبر پختون میں عبدالاغفار خان، بلوچستان میں خیر بخش مری وغیرہ اور مشرقی پاکستان میں مجیب کو قومیتوں کے سبز باغ دکھا کر پاکستان توڑنے کے کام پر لگا دیا گیا۔ اس میں امریکا، روس اور اسرائیل بھارت کی مدد کرتے رہے۔ ان سب کو اسلامی اور پھر ایٹمی طاقت بن جانے والا پاکستان ہرگز پسند نہیں تھا۔ سندھ، خیبر پختون اور بلوچستان کے غداران تو پوری طرح کامیاب نہ ہو سکے مگر مشرقی پاکستان کے غدار مجیب کامیاب ہو گیا۔ پاکستان کے دو ٹکڑے کر کے زبان، قومیت کی بنیاد پر مشرقی پاکستان بنگلہ دیش بنا دیا گیا۔ بھارت کی وزیر اعظم اندرا نے اس کامیابی پر بیان دیا کہ قائد اعظمؒ کا دو قومی نظریہ کو خلیج بنگال میں ڈبو دیا مسلمانوں سے ہزار سالہ حکومت کا بدلہ بھی لے لیا۔ یہ ہے دشمن کا بیانیہ اور ہمارے پرانے اور نئے حکمرانوں کا بیانیہ کہ ہم بھارت سے آلو پیاز کی تجارت کی باتیں کرتے ہیں۔ موسٹ فیورٹ ملک کی باتیں کرتے ہیں۔ پاکستان سے بے وفائی کی یہ حالت ہے کہ عمران خان کی حکومت جو بھارت سے جنگ کی حالت میں۔ کل ہی پیازوں سے بھرے پاکستانی ٹرک واگہ باڈر کراس کرنے کی تصویریں میڈیا میں شایع ہوئیں ہیں۔ جبکہ بھارت کہتا رہا ہے کہ پاکستان

گے۔ آزاد کشمیر پر حملہ کر کے بھارت میں شام کریں گے۔

اگر بے وفا حکمران پاکستان بننے کے بعد برصغیر کے مسلمانوں اور اپنے اللہ سے کیا گیا وعدہ کہ پاکستان کا مطلب کیا ''لا الہ الا اللہ'' کا وعدہ پورا کیا ہوتا۔ تو پاکستان مضبوط ہوتا، عوام قومیتوں کے بجائے اسلام کے پر امن نظام پر عمل کرتے۔ مشرقی پاکستان بھی اسلام کے بابرکت نظام حکومت کے تحت پاکستان سے جڑا رہتا۔ کیا اوپر جو ہندوستان پر ہزار سالہ مسلمانوں کی حکومت کرنے کا جو تجزیہ پیش کیا ہے وہ ہمارے حکمرانوں کو سمجھ نہیں آتا۔ اور کیا دنیا کی سینکڑوں قوموں، تہذیبوں وثقافتوں والے پونے چار براعظموں پر مسلمانوں کا ایک مسلمان خلیفہ حکومت نہیں کرتا رہا۔ بلکہ ابھی ماضی قریب ۱۹۲۳ء عثمانی خلافت کی دنیا کے تین براعظموں پر حکومت قائم نہیں تھی۔ یہ پاکستانی بے وفا حکمران ہیں کہ جو صرف ایک مسلم بنگالی قوم کو اپنے ساتھ ملا کر نہ رکھ سکے۔

مشرقی پاکستان قائد اعظمؒ کے دو قومی نظریہ کے وژن اور برعظیم کے مسلمانوں سے ''لا الہ الا اللہ'' کے وعدہ پر عمل نہ کرنے اور پاکستان میں اسلامی نظام حکومت قائم نہ کرنے کی وجہ سے پاکستان سے علیحدہ ہوا۔ بے وفا حکمران اسلامی نظام کیا قائم کرتے۔ جب کہ قائد اعظمؒ کے انتقال کے بعد مسلم لیگ کے کھوٹے سکوں نے قائد اعظمؒ کے وژن سے اعلانیہ بغاوت کرتے ہوئے کہا تھا کہ پاکستان میں چودہ سو سالہ اسلامی نظام حکومت قائم نہیں ہوسکتا۔ علامہ محمد اسدؒ کو قائد اعظمؒ کے قائم کردہ ایک ادارے ''ری کنسٹرکشن آف اسلامک تھاٹ'' سے ہٹا کر بیرون ملک سفیر بنا دیا۔ سید مودودیؒ جو اسلامی کے عملی نفاذ کی کوششیں کر رہے تھے پاکستان مخالفت کا جھوٹا الزام لگا کر قید میں ڈال دیا۔

صاحبو! اب بھی مشرقی پاکستان کے بنگلہ دیش بننے کا ازالہ ہوسکتا ہے۔ بلکہ کسی بھی وقت بنگلہ دیش واپس پاکستان کے ساتھ شریک ہوسکتا ہے۔ بنگلہ دیش میں اس کام کے لیے ایک مضبوط جماعت اسلامی موجود ہے۔ عمران خان وزیر اعظم، ایٹمی اور میزائل قوت مملکت اسلامی جمہوریہ، مثل مدینہ ریاستِ پاکستان، جو مدینہ کی اسلامی فلاحی حکومت کی گردان ہمیشہ دہراتے رہتے ہیں نے اگر پاکستان کو پاکستان کے ازلی دشمن بھارت سے بچانا ہے تو ۴ اقدام کرنے چاہییں۔ نمبر:۔۱۔ پاکستان میں فوراً اسلامی نظام حکومت کا اعلان کر دینا چاہیے۔ اس سے ایک تو اللہ تعالیٰ کے ساتھ کیا گیا وعدہ پورا ہوگا۔ اور دوسرے پچھلے ۷۲ سال سے اسلامی نظام حکومت کو ترسنے والے پاکستانی عوام ایک دم ساری سیاسی وابستگیوں کو چھوڑ کر حکومت وقت کے ساتھ یک جان ہو جائیں گے۔ نام نہاد قومیتوں کے حقوق اور لسانیت کی سیاست کرنے والی پارٹیوں پر پابندی لگا دینی چاہیے۔ یہی مشرقی پاکستان کے توڑنے کا سبب بنی تھیں۔ اب بھی باقی ماندہ پاکستان کو توڑنے کی کوششوں میں لگی ہوئی ہیں۔ اس سے قبل ایم کیو ایم کو غیر ضروری ڈھیل دے کر پاکستان کو ناقابل تلافی نقصان پہنچایا جا چکا ہے۔۔ نمبر:۔۲۔ بھارت جو پاکستان پر حملہ کا اعلان کر چکا ہے اور پاکستان کو توڑنا چاہتا ہے۔ اس کے خلاف تحصیل لیول کی بنیاد پر پاکستان کے بچانے کے نام پر پاکستانی عوام سے بیعت لی جائے۔ نمبر:۔۳۔ علماء سے مشورہ کر کے مملکت اسلامی جمہوریہ پاکستان، بھارت کے خلاف جہاد فی سبیل اللہ کا اعلان کر دے۔ نمبر:۔۴۔ پاکستان کی ساری سیاسی اور دینی پارٹیاں، تاجر تنظیمیں، وکلا تنظیمیں، سول سوسائٹیوں کے کارکن پاکستان توڑنے کے بھارتی ڈاکٹرائین کو تبدیل کرانے اور اور جب تک مسئلہ کشمیر حل نہیں ہوتا، بھارت پر دباؤ بڑھانے کے لیے آزاد کشمیر جا کر ہر روز ایک ایک کر کے مظفر آباد سے صرف چکوٹھی تک مارچ کرتے رہیں۔ اس سے ایک طرف مظلوم کشمیریوں کو حوصلہ ملے گا اور دوسری طرف لکشمی یعنی دولت کی پوجاری اور یہودیوں کی طرح ہزار ہزار سال زندہ رہنے کی خواہش رکھنے والے ہندو مشرکوں کا معاشرہ صلح کرنے کے لیے تیار ہو جائے گا۔ اگر بھارت نے جنگ کی حماقت کی تو فتح غازیوں اور شہیدوں کے معاشرے والے اسلامی جمہوریہ پاکستان کی ہوگی۔ انشاء اللہ۔ اسی طریقے سے مشرقی پاکستان ٹوٹنے کا ازالہ ہوسکتا ہے۔ مشرقی پاکستان ٹوٹنے کا الزام فوج اور سیاست دانوں پر ہی نہیں پوری پاکستانی قوم اس ذلت ورسوائی کی ذمہ دار ہے۔ پاکستانی قوم اس لیے کہ قوم نے اسلامیِ نظامِ حکومت قائم کرنے کے لیے تحریک پاکستان والا جذبہ استعمال کر کے حکمرانوں کو اسلامی نظام حکومت قائم کرنے پر مجبور نہیں کیا تھا۔ اب قوم، فوج سیاست دان مل کر اب مندرجہ بالا اقدام کر کے ماضی کی غلطیوں کا ازالہ کریں۔ اللہ اسلامی جمہوریہ پاکستان کا محافظ ہو۔ آمین۔

نوٹ: کسی بھی مضمون نگار کے خیالات سے ادارہ پیشوا انٹرنیشنل کا متفق ہونا ضروری نہیں ہے۔

تمثیلِ سیاست

پیدا ہوا وکیل تو ’’شیطان‘‘ نے کہا۔۔!!

(تحریر: محمد اعظم عظیم اعظم)

یہی شعبہ وکالت ہے جو اِنسان کو انسانیت کا درس دینے اور ہر زمانوں میں تہذیبوں اور معاشروں میں بسنے والے جرائم پیشہ افراد کو قانون سے سخت سزائیں دلوا کر معاشروں میں امن و آشتی کا سب سے بڑا علمبردار بنا پھرتا ہے۔

مگر نہیں، بڑے افسوس کے ساتھ یہ کہنا پڑ رہا ہے کہ آج ہمارے یہاں پی آئی سی پر وکلاء کے المناک حملے کے بعد یہ شعبہ دہشت گردی کی جیتی جاگتی علامت بن گیا ہے۔ سانحہ پی آئی سی کے بعد سے عوام الناس کو ہر وکیل اور اِس شعبہ سے وابستہ افراد سے خوف آنے لگا ہے۔ غرض یہ کہ ہر عمر کے افراد میں کالے کوٹ کالی پینٹ اور سفید شرٹ والوں سے انجانی سی نفرت ہونے لگی ہے۔ یہ ٹھیک ہے کہ غلطی ڈاکٹرز کی بھی ہوگی۔ مگر اسپتال پر ٹڈی دل کے مانند حملہ تو وکلاء نے کیا ہے۔ ناں! اِس لئے سارے معاملے کے قصوروار وکلاء ہیں۔ اگرچہ حکومت نے سانحہ پی آئی سی پر انکوائری کمیٹی تشکیل تو دے دی ہے۔ سانحہ پی آئی سی میں مرنے والا تو مر گیا اور زخمی ہونے والا زخمی ہو گیا۔ مگر ہمیشہ کی طرح تحقیقات بے نتیجہ ثابت ہو کر منوں مٹی تلے دبا دی جائیں گی۔ پھر ساری قوم کسی نئے حادثے کی طرف دیکھ رہی ہوگی۔

پچھلے دِنوں لاہور کے پنجاب انسٹیٹیوٹ آف کارڈیالوجی (پی آئی سی) امراض قلب کے اسپتال میں سینکڑوں کالے کوٹ کالی پینٹ اور سفید شرٹ میں ملبوس قانون کے چاک و چوبند اور موٹے تازے جیالے رکھوالوں کی شکل میں غنڈہ عناصر کی ہونے والی دہشت گردی سے اِنسانیت کا سر شرم سے جھک گیا ہے۔ اگر آپ چاہیں تو اسپتال پر حملہ آوروں سے اپنے غصے کے اظہار کے لئے، شرم و حیاء اور غیرت دلانے والے الفاظ سے پہلے ’’بے‘‘ کا اضافہ لگا کر لکھیں، پڑھیں اور پکاریں۔ جیسے غیرت سے پہلے ’’بے غیرت‘‘ حیاء سے پہلے ’’بے حیاء‘‘ شرم سے پہلے ’’بے شرم‘‘ وغیرہ وغیرہ۔

خیر آگے بڑھتے ہیں، دیکھنے والوں نے دیکھ کر ضرور یہ کہا ہوگا کہ اسپتال پر وکلاء کا حملے کا منظر اتنا دردناک اور المناک تھا کہ حملہ آور وکلاء کی کاروائیوں سے آسمان بھی رو پڑا ہوگا۔ اور زمین بھی تھرا گئی ہوگی مگر کسی کے اشارے پر اسپتال پر حملہ کرنے کے لئے آنے والوں کے سینوں میں دل کے بجائے پتھر تھا۔ جنہوں نے قانون کی دھجیاں سوکھے ہوئے پھولوں کی پنکھڑیوں اور خزاں میں درختوں اور پودوں کے سُوکھے ہوئے پتوں کی طرح بکھیر کر رکھ دی۔ اُنہوں نے ایسا کرنا اپنا فخر جانا۔ کھیت کھلیان تباہ کردینے والی ٹڈی دل کی طرح اسپتال کا ستیاناس کیا اور فاتحانہ انداز سے مزے سے چلے گئے۔

جس وقت اسپتال پر سَن آف شیطانوں کا حملہ جاری تھا۔ اِن حملہ آوروں کو دیکھ کر ایسا لگتا تھا کہ جیسے آج قانون کے رکھوالے کہلانے والوں پر شیطانیت سوار ہے۔ آج یہ سَن آف شیطان کے رول میں حیوانیت والے کام کر رہے ہیں۔ یقیناً اِن کا یہ کارنامہ تا قیامت سیاہ حرف میں تحریر رہے گا کہ ایک زمانے کی بات ہے کہ پاکستان کے شہر لاہور میں پنجاب انسٹیٹیوٹ آف کارڈیالوجی پر سینکڑوں وکلاء نے حملہ کیا تھا۔ جس کی مثال دنیا کی تاریخ میں نہیں ملتی ہے۔ اور اِس دوران گرفتاریاں آٹے میں نمک سے بھی کم مقدار میں عمل میں لائی گئیں تھیں۔ یعنی کہ سینکڑوں وکلاء کے ہجوم سے صرف چند ایک ہی حملہ آور وکلاء پکڑے گئے تھے۔ پھر حکومت اور وکلاء تنظیموں کی مداخلت کے بعد شروع ہونے والے مذاکراتی عمل میں مصالحت ہوگئی تھی۔ جو گرفتار بھی ہوئے تھے۔ وہ بھی سزا سے بچ کر باعزت بری ہوئے۔ یوں وکلاء کے پی آئی سی پر حملے کے دوران جتنی اموات ہوئیں۔ اُن کے لئے جنت میں درجات کی بلندی اور زخمی ہونے والوں کے لئے دونوں (وکلاء تنظیموں اور حکومت کی) جانب سے جلد صحت یابی کے دعائیں کی گئیں۔ بس پھر سارے معاملے پر مٹی ڈال کر فائل بند کردی گئی۔ ایسا ہمارے یہاں ہر مرتبہ ہوتا ہے۔ اُمید ہے کہ اِس مرتبہ

روایات کو قائم رکھا جائے گا۔ اور حملہ آور ہمیشہ کی طرح کسی بھی کڑی سزا سے بچ جائیں گے۔ کیوں کہ ہمارے یہاں 72 سال سے ہر ایسے ویسے گھناؤنے فعل کے بعد یہی تو ہوتا آیا ہے۔ پھر ایسا ہو جائے گا؛ تو کسی کا کیا بگڑے گا؟ اور کسی کو شرم اور ندامت کیوں کر ہوگی؟ اور کون سا ابھی کوئی انوکھا ہونے جا رہا ہے۔!! پی آئی سی پر حملہ آوروں کو کون سی کوئی کڑی سزا ملے گی؟۔ بس واقعہ دو چار روز مزید ذرا پرانے ہو لینے دو۔ یہی قانون کے رکھوالے اور حکومت سارے سانحہ کو ایسا گھوما دے گی کہ بس سارا الزام مرنے اور زخمی ہونے والوں کے سر آجائے گا؛ اور یوں وکلاء کی شکل میں اسپتال پر حملہ آور بچ نکلیں گے۔ پھر مرا جائے گا بیچارہ کوئی معصوم اور بے گناہ انسان۔ اور بس اِنصاف کے سارے تقاضے ہو گئے۔

امراض قلب کے اسپتال میں وکلاء کا حملہ ہوتے دیکھ کر یقینی طور پر ہر ذی شعور اور اِنسانیت کا احترام اور درد رکھنے والے کی زبان پہ سو سال پہلے اکبر الہ آبادی کا کہا گیا یہ شعر آ گیا ہوگا کہ ''پیدا ہوا وکیل تو شیطان نے کہا لو، آج ہم بھی صاحبِ والا دہو گئے'' یقیناً جب کالے کوٹ کالی پینٹ اور سفید شرٹ میں ملبوس وکلاء پی آئی سی پر حملہ آور تھے۔ حقیقت میں یہ سب شیطان کے ہی بیٹے لگ رہے تھے۔ اگر اِن میں ذرا سی بھی انسانیت یا اپنے پیشے کے اعتبار سے قانون کی لاج ہوتی تو حملہ آوروں میں شامل کوئی خاتون یا مرد وکیل ایسی حرکت کبھی نہ کرتا۔ جیسی اِن شیطان کے بیٹے اور بیٹیوں نے پنجاب انسٹیٹیوٹ آف کارڈیالوجی پر حملہ کے اسپتال کی ایمرجنسی آئی سی یو وارڈ میں توڑ پھوڑ کی اور اسی حملے کے دوران تین مریض جان بحق اور کئی زخمی ہوئے۔

تاہم اِس سارے معاملے میں قصور وکلاء کا ہی ہے۔ کیوں کہ اسپتال پر حملہ کرنے یہی آئے تھے۔ اسپتال کا عملہ یا اسپتال کسی پر حملہ آوار ہونے نہیں گیا تھا۔ ویسے بھی لاہور کے وکلاء کی غنڈہ گردی کی داستانیں بہت مشہور ہیں۔ یہ کالے کوٹ کالی پینٹ اور سفید شرٹ والے خود کو قانون کا رکھوالا سمجھنے سے کہیں زیادہ سَن آف شیطان سمجھتے اور گردانتے ہوئے فخر محسوس کرتے ہیں۔ اِسی لئے یہ اکثر اپنے وکلاء اور ججز پر بھی حملہ آور ہوتے ہیں۔ لازمی ہے کہ نئے پاکستان اور تبدیلی کی راہ پر گامزن وزیر اعظم عمران خان کی حکومت اداروں کی بہتری کی ابتداء وکلاء برادری کی غنڈہ گردی کو لگام دینے کے لئے سب سے پہلے وکلاء تنظیموں پر فی الفور پابندی لگائے اور اِنہیں شیطان کے جادوئی اثر سے آزادی دلانے کے اقدامات کرے اور اِن میں انسانیت اور قانون کے احترام کا جذبہ بیدار کرے۔ ورنہ وکلاء کی غنڈہ گردی جاری رہے گی۔

''سچائی کے ہر کردار کو پھانسی دے دو''

ہر چوکس کو ہر بے دار کو پھانسی دے دو
دشمن کو للکارتا ہے اور جنگ کرتا ہے
مُلک کو لُوٹ کے محل خریدیں دنیا بھر میں
کارِ مسیحا سب ہڑتال کی نذر ہوئے ہیں
سچ سننے کی زحمت سے بچ جاؤ گے تم
چہروں کے سب خول اتار کے رکھ دے گا یہ
تھکن مسافر کی یہ گود میں لے لیتا ہے

چور نہ پکڑو ، چوکیدار کو پھانسی دے دو
اس جرأت پہ سپہ سالار کو پھانسی دے دو
راز جو کھولے اس اخبار کو پھانسی دے دو
ہر بیمار کو ہر لاچار کو پھانسی دے دو
سچائی کے ہر کردار کو پھانسی دے دو
جلدی آئینہ بردار کو پھانسی دے دو
قدسی شجر سایہ دار کو پھانسی دے دو

کلام: عبدالکریم صاحب قدسی۔ آف امریکا

کائنات کی ساخت

تحریر: کارلو رویلی۔ ترجمہ۔ فصی ملک

ہزاروں سالوں تک کائنات کی ساخت کے بارے میں یہ گمان کیا جاتا رہا کہ یہ دوحصوں میں اس طرح منقسم ہے کہ زمین ہمارے نیچے جب کہ ہمارے آسمان اوپر ہے۔

پہلا سائنسی انقلاب آج سے چھبیس سو سال پہلے تب رونما ہوا جب ایک یونانی فلسفی اناکسی مینڈر (Anaximander) نے یہ سمجھنے کی کوشش کی کہ کیسے ممکن ہے کہ سورج، چاند اور ستارے ہماری زمین کے گرد گھومتے ہوں۔ اس نے کائنات کی درج بالا تصویر کو اس تصویر سے بدل دیا۔

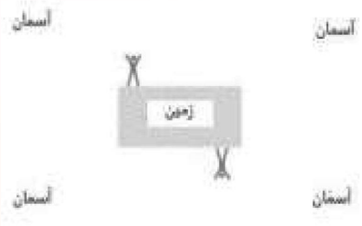

اس تصویر میں کائنات کی ساخت کا مختصر تصور ہے۔ اب آسمان صرف ہمارے اوپر موجود ہونے کی بجائے ہر طرف موجود ہے۔ اس تصور کے مطابق زمین سپیس (Space) میں تیرتی ہے جس کے ہر طرف آسمان ہے۔ اس تصور کے پیش کیے جانے کے کچھ عرصہ بعد ہی ایک اور یونانی فلسفی، پیرمینڈیس یا شاید فیثا غورث (Parmenides or Pythagoras) نے محسوس کیا کہ سپیس میں مسلسل تیرتی ہوئی زمین کے اس توازن کو سمجھنے کے لئے کُرّہ یا مدار کا تصور زیادہ مناسب لگتا ہے کیوں کہ مدار میں گھومتا ہوا ایک جسم اپنے اردگرد ہر سمت میں مساوی فاصلے پر رہتا ہے۔ ارسطو (Aristotle) نے زمین اور اس کے گرد گھومتے ہوئے دوسرے آسمانی اجسام کی حرکت کے کُروی ہونے کے بارے میں تسلی بخش سائنسی دلائل واضح کیے۔ اس کے نتیجے میں حاصل ہونے والی کائنات کی تصویر مندرجہ ذیل ہے۔

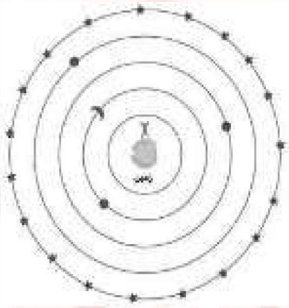

یہ کائنات کی وہ تصویر ہے جسے ارسطو نے اپنی کتاب ''آسمانوں پر'' میں پیش کیا۔ کائنات کا یہی تصوّر بحیرہ روم کی تہذیبوں میں قرونِ وسطیٰ کے اختتام تک قائم رہا۔

یہ جاننا کس قدر دلچسپ ہے کہ کائنات کا یہ تصوّر دانتے اور شیکسپیئر جیسے لوگوں نے اپنے سکول میں پڑھا۔

اس کے بعد کائنات کو سمجھنے میں بڑی جست کوپرنیکس (Copernicus) نے لگائی جس سے اس دور کا آغاز ہوا جس کو اب عظیم سائنسی انقلاب کہا جاتا ہے۔ کوپرنیکس کی دنیا ارسطو کی دنیا سے زیادہ مختلف نہیں ہے لیکن درحقیقت ان دونوں میں ایک بہت اہم فرق ہے۔

کوپرنیکس کے خیال میں کائنات کا مرکز زمین نہیں سورج ہے۔ زمانہ قدیم کا تصور کائنات جس میں زمین مرکز ہے، کوپرنیکس کے نزدیک درست نہیں تھا۔ اس نے یہ تصور پیش کیا کہ سیاروں کے اس کائناتی رقص میں ہماری زمین اس کا مرکز نہیں ہے بلکہ اس کے مرکز میں سورج ہے۔

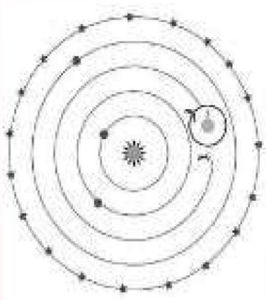

اس لحاظ سے ہمارا سیارہ زمین بہت سارے دوسرے سیاروں کے ہمراہ بہت تیز رفتاری سے اپنے محور کے ساتھ ساتھ سورج کے گرد بھی ایک مدار میں گھوم رہا ہے۔

وقت کے ساتھ ساتھ انسانی علم بڑھتا رہا اور بہتر پیمائشی آلات کے ذریعے جلد ہی یہ دریافت کر لیا گیا کہ ہمارا پورا نظامِ شمسی بذات خود کائنات کا مرکز نہیں ہے۔ بلکہ یہ لاتعداد دوسرے شمسی نظاموں میں سے محض ایک ادنیٰ سا نظامِ شمسی ہے اور ہمارا سورج بھی بہت سے دوسرے ستاروں کی طرح ایک ستارہ ہے۔ ایک سو ارب ستاروں کے اس بادل نما وسیع جھمگٹے (کہکشاں) میں محض ایک معمولی ذرہ۔ ہماری کائنات اربوں کائناتوں میں سے ایک ہے۔

تاہم 1930ء میں فلکیات دانوں نے ستاروں کے درمیان پھیلے سفیدی مائل بادلوں (Nebulae) کی تفصیلی اور تصحیح شدہ پیمائشوں سے یہ معلوم کیا کہ ہماری کہکشاں دوسری لاتعداد کہکشاؤں کے اس بادل میں محض ایک ذرہ ہے۔ ہماری کائنات اربوں کائناتوں میں سے ایک ہے۔ اب تک بنائی گئی سب سے طاقت ور دوربینوں کی مدد سے ہمیں یہ معلوم ہو سکا ہے کہ کہکشاؤں کے ان کائناتی بادلوں کا یہ سلسلہ تاحدِ نگاہ پھیلا ہوا ہے۔ ہمارے اب تک کے تصور کے مطابق دنیا ایک

یکساں اور لامحدود وسعت بن چکی ہے۔

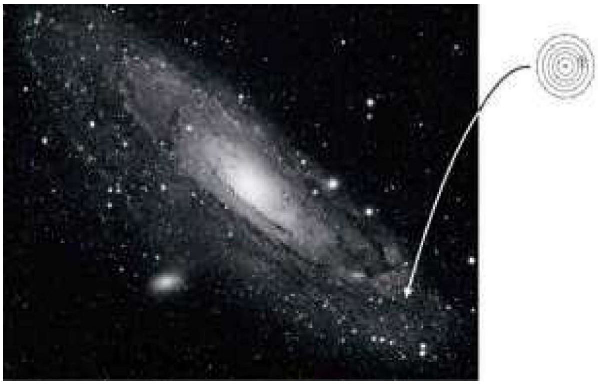

ذیل میں دی گئی تصویر ہاتھ سے بنایا ہوا کوئی خاکہ نہیں بلکہ زمین کے گرد خلا میں اپنے مدار میں گھومتی ہوئی ہبل دوربین (Hubble Telescope) سے لی گئی آسمان کی ایک فوٹو ہے۔ ماضی میں دوسری طاقت ور دوربینوں سے لی گئی آسمان کی تصویروں کی نسبت یہ تصویر زمین سے بہت دور خلا کی زیادہ گہرائی میں موجود اجسام دکھاتی ہے۔ جہاں یہ تصویر لی گئی ہے، آسمان کے اس حصّے کو انسانی آنکھ سے دیکھا جائے تو یہ سیاہ آسمان کا ایک چھوٹا سا خالی ٹکڑا نظر آئیگا۔ ہبل دوربین سے لی گئی اس تصویر کو دوبارہ دیکھیں، یہ خلا میں دُور دُور بے ترتیب پھیلے ہوئے نقطوں کی ایک گرد دکھائی دیتی ہے۔ حقیقت میں ہر سیاہ نقطہ ایک کہکشاں کی شبیہہ ہے اور ہر نقطے میں ہمارے سورج کی طرح کے سینکڑوں ارب ستارے موجود ہیں۔ گزشتہ چند سالوں میں یہ مشاہدہ کیا گیا ہے کہ ہمارے نظامِ شمسی کی طرح ان ستاروں میں سے بیشتر کے گرد بھی سیارے گھومتے ہیں۔ لہٰذا کائنات میں زمین کی طرح کے اربوں کے اربوں کے اربوں کے اربوں سیارے موجود ہیں۔ ہم آسمان پر جس سمت بھی دیکھیں یہی منظر نظر آتا ہے جیسا اس تصویر میں موجود ہے۔

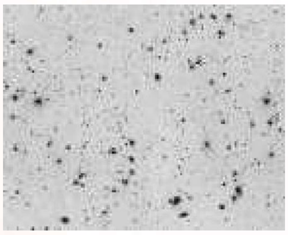

لیکن یہ ہمہ جہت یکسانیت حقیقت میں ایسی نہیں ہے جیسی بظاہر مندرجہ بالا تصویر میں نظر آتی ہے۔ جیسا کہ میں نے پہلے سبق میں وضاحت کی تھی کہ سپیس کاغذ کی طرح مستوی نہیں بلکہ منحنی یعنی خم دار ہے۔ ہمیں کائنات کی ساخت کو یوں تصور کرنا چاہیے کہ یہ ستارے اور کہکشائیں ایک خم دار سطح پر چھینٹوں کی طرح ہیں۔ یہ کہکشائیں سمندری موجوں کی مانند لہروں میں حرکت کرتی ہیں جو بسا اوقات اتنی زیادہ شدید ہوتی ہیں کہ کائنات کی اس خم دار سطح میں گڑھے پڑ جاتے ہیں جن کو ہم بلیک ہول کہتے ہیں۔ اس معلومات کے بعد ہم ہبل دوربین سے لی گئی تصویر میں اضافہ کریں تو ان لہروں کی وجہ سے خم دار کائنات کی تصویر کچھ اس طرح نظر آتی ہے۔

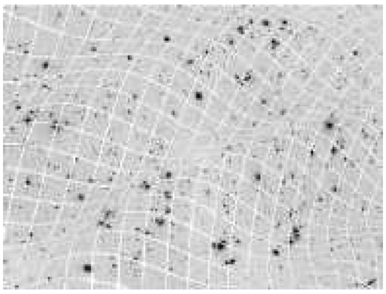

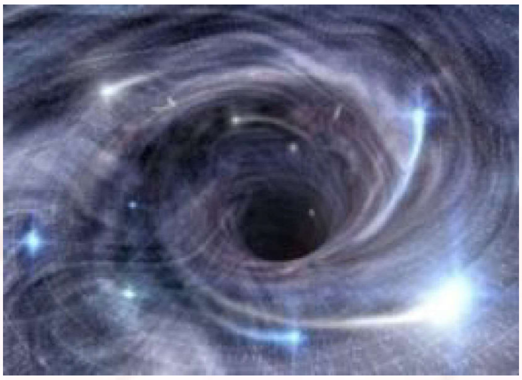

اب ہم جانتے ہیں کہ کہکشاؤں سے مزین یہ وسیع چکیلی کائنات جسے بننے میں پندرہ ارب سال لگ گئے، ایک بہت ہی گرم اور انتہائی کثیف بادل نما چھوٹے نقطے میں نمودار ہوئی۔ اس نقطے کو بیان کرنے کے لیے ہمیں صرف کائنات کی موجودہ ساخت ہی نہیں بلکہ اس ساخت کی تشکیل کی پوری تاریخ وضع کرنے کی ضرورت ہے۔ اس ارتقائی کائنات کی شکل کچھ یوں ہے:

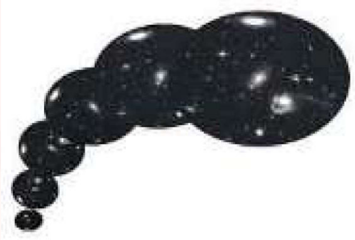

کائنات ایک چھوٹی گیند نما شکل سے شروع ہوئی اور پھر اپنی موجودہ کونیاتی وسعت تک پھیل گئی۔ بڑے سے بڑے پیمانے پر جو ہم اب تک جانتے ہیں، یہ ہماری کائنات کی موجودہ تصویر ہے۔

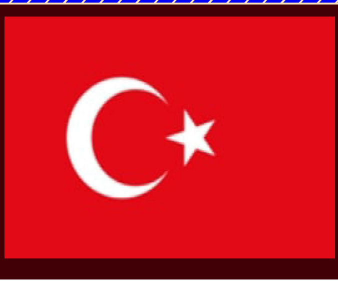

استنبول (قسطنطنیہ) میں تاریخی مقامات

(تحریر: جہانگیر خاں۔لندن)

دنیا کا وہ واحد شہر جو 2 براعظموں میں واقع ہے، وہ ہے ترکی کا معروف شہر استنبول ہے جو کبھی قسطنطنیہ کے نام سے جانا جاتا تھا 2 براعظموں میں واقع ہونے کے ساتھ ساتھ یہ واحد شہر ہے جو 3 عظیم سلطنتوں کا دارالحکومت رہا ہے یعنی پہلے رومی سلطنت، پھر بازنطینی سلطنت اور آخر میں کئی صدیوں تک سلطنت عثمانیہ کا دارالخلافہ رہا۔ اس شہر کو کراچی کا جڑواں شہر بھی کہا جاتا ہے۔

یہ وہ شہر ہے جہاں مشرق مغرب سے ملتا ہے یا یوں کہہ لیں یورپ ایشیا سے ملتا ہے جبکہ جدت و قدامت کا خوبصورت امتزاج ہے۔

آبنائے باسفورس کے ایک جانب یہ شہر یورپ میں موجود ہے جبکہ دوسری جانب ایشیا میں، یہی وجہ ہے کہ یہ سیاحوں کے خوابوں کی سرزمین بھی ثابت ہوتا ہے جہاں تاریخی مقامات، جدید تعمیرات اور ایشیائی و یورپی امتزاج وغیرہ ہر سال لاکھوں کروڑوں سیاحوں کو وہاں آنے پر مجبور کرتے ہیں۔

باسفورس برج

دو براعظموں کو ملانے والا، آبنائے باسفورس پر بنایا گیا باسفورس برج ہے جسے 2016 میں 15 جولائی شہدا برج کا نام بھی دیا گیا، کی لمبائی ایک ہزار پانچ سو دس میٹر ہے اس کی تعمیر 1970ء سے 1973ء کے درمیان مکمل ہوئی اور استنبول کے یورپی حصے کو ایشیائی حصے سے ملا دیا گیا۔ یہ پل دنیا کا چوتھا بڑا پل ہے۔ باقی تینوں پل امریکہ میں ہیں۔ باسفورس برج سے روزانہ تقریباً ایک لاکھ اسی ہزار گاڑیاں گزرتی ہیں۔ اس برج کے نیچے تفریحی کشتیوں کے ذریعے بھی سفر کیا جاسکتا ہے اور ارگرد کے دنگ کردینے والے نظاروں کا لطف لیا جاسکتا ہے۔ بین البراعظمی استنبول یوروایشیا میراتھن کے شرکا بھی اسی پل کے ذریعے آبنائے باسفورس پار کرتے ہیں۔ یہ دوڑ ہر سال اکتوبر میں منعقد ہوتی ہے جس کا آغاز استنبول کے ایشیائی حصے سے ہوتا ہے اور یورپی حصے میں اختتام پزیر ہوتی ہے۔ اس دوران پل کو گاڑیوں کے لیے بند کردیا جاتا ہے۔

علاوہ ازیں پل سے کود کر خودکشی کرنے کا رجحان بھی موجود ہے اور 2001ء میں باسفورس پر واقع دو پلوں سے کود کر 146 افراد نے خودکشی کی کوشش کی جس میں 24 اپنی جان سے ہاتھ دھو بیٹھے۔ 2002ء میں 190 اقدام خودکشی میں 38 افراد ہلاک ہوئے۔

باسفورس پل اور بیلربے محل

15 مئی 2005ء کو امریکا کی معروف ٹینس کھلاڑی وینس ولیمز نے باسفورس پل پر مقامی کھلاڑی کے ساتھ نمائشی مقابلہ کھیلا جو تاریخ کا پہلا مقابلہ تھا جو دو براعظموں میں منعقد ہوا۔ اس مقابلے کا اہتمام 2005ء استنبول کپ کے انعقاد سے قبل تشہیر کے لیے کیا گیا تھا اور یہ مقابلہ 5 منٹ تک جاری رہا۔ نمائشی مقابلے کے بعد دونوں کھلاڑیوں نے آبنائے باسفورس میں گیندیں پھینکیں۔

17 جولائی 2005ء کو معروف برطانوی فارمولا ون ڈرائیور ڈیوڈ کولٹ ہارڈ نے اپنی تیز رفتار کار اس پل پر دوڑائی اور اپنی مہارت سے شائقین کو محظوظ کیا۔ انہوں نے اپنی گاڑی دولما باخچی محل کے ایک باغیچے میں کھڑی کی۔

سلطان احمد مسجد (نیلی مسجد)

استنبول کا وہ علاقہ جہاں سلطان احمد اسکوائر ہے بہت قدیم اور تاریخی علاقہ ہے۔ سلطان احمد مسجد جسے نیلی مسجد بھی کہا جاتا ہے کے نام پر اس علاقہ کو سلطان احمد اسکوائر کہا جاتا ہے۔ اس کے علاوہ یہاں قدیم بازنطینی سلطنت کے آثار بھی موجود ہیں جو تاریخ سے دلچسپی رکھنے والوں کی توجہ اپنی جانب کھینچتے ہیں۔

سلطان احمد مسجد المعروف نیلی مسجد (ترکی زبان: Sultanahmet Camii) کو اسے بیرونی دیواروں کے نیلے رنگ کے باعث نیلی مسجد کے طور پر جانا جاتا ہے۔ یہ ترکی کی واحد مسجد ہے جس کے چھ مینار ہیں۔ جب تعمیر مکمل ہونے

پر سلطان کو اس کا علم ہوا تو اس نے سخت ناراضی کا اظہار کیا کیونکہ اُس وقت صرف مسجد حرام کے میناروں کی تعداد چھ تھی لیکن کیونکہ مسجد کی تعمیر مکمل ہو چکی تھی اس لیے مسئلے کا حل یہ نکالا گیا کہ مسجد حرام میں ایک مینار کا اضافہ کر کے اُس کے میناروں کی

تعداد سات کر دی گئی۔ مسجد کے مرکزی کمرے پر کئی گنبد ہیں جن کے درمیان میں مرکزی گنبد واقع ہے جس کا قطر 33 میٹر اور بلندی 43 میٹر ہے۔ مسجد کے اندرونی حصے میں زیریں دیواروں کو ہاتھوں سے تیار کردہ 20 ہزار ٹائلوں سے مزین کیا گیا ہے جو ازنک (قدیم نیسیا) میں تیار کی گئیں۔ دیوار کے بالائی حصوں پر رنگ کیا گیا ہے۔ مسجد میں شیشے کی 200 سے زائد کھڑکیاں موجود ہیں تاکہ قدرتی روشنی اور ہوا کا گزر رہے۔ مسجد کے اندر اپنے وقت کے عظیم ترین خطاط سید قاسم غباری نے

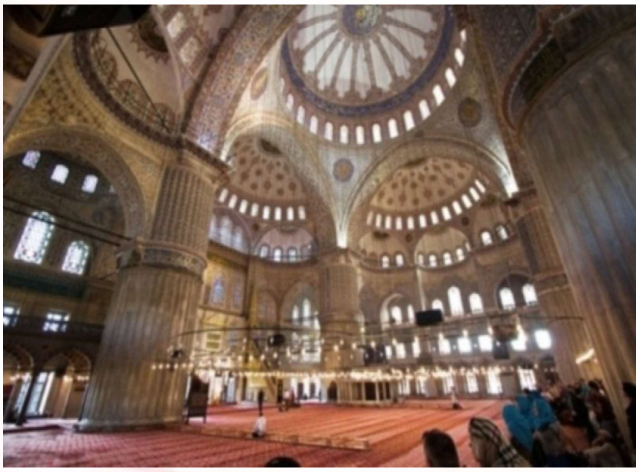

قرآن مجید کی آیات کی خطاطی کی۔ مسجد کے طرز تعمیر کی ایک اور خاص بات یہ ہے کہ نماز جمعہ کے موقع پر جب امام خطبہ دینے کے لیے کھڑا ہوتا ہے تو مسجد کے ہر کونے اور ہر جگہ سے امام کو با آسانی دیکھا اور سنا جا سکتا ہے۔ مسجد کے ہر مینار پر تین چھجے ہیں اور کچھ عرصہ قبل تک مؤذن اس مینار پر چڑھ کر پانچوں وقت نماز کے لیے اہل ایمان کو پکارتے تھے۔ آج کل اس کی جگہ صوتی نظام استعمال کیا جاتا ہے جس سے اذان کی آوازیں قدیم شہر کے ہر گلی کوچے میں سنی جاتی ہے۔ نماز مغرب پر یہاں مقامی باشندوں اور سیاحوں کی بڑی تعداد بارگاہ الٰہی میں سر بسجود ہوتی ہے۔ رات کے وقت رنگین برقی قمقمے اس عظیم مسجد کے جاہ و جلال میں مزید اضافہ کرتے ہیں۔

ایا صوفیہ

ایا صوفیہ وہ مقام ہے جو ایک ہزار سال تک دنیا کا سب سے بڑا کیتھڈرل گرجا گھر رہا اور 1453 میں قسطنطنیہ فتح کرنے کے بعد عثمانی ترکوں نے اسے مسجد میں تبدیل کر دیا، 1935 میں اتاترک نے اسے عجائب گھر بنا دیا۔ اسے دنیا کی تاریخ کی عظیم ترین عمارات میں سے ایک کہا جاتا ہے، جس کا طرز تعمیر مسحور کر دینے والا ہے، اسی وجہ سے یہ عالمی ثقافتی ورثے میں بھی شامل ہے۔

ایا صوفیہ

قدیم رومی حوض

باسلیقی حوض 532 عیسوی میں تعمیر ہوا جو تازہ پانی کو ذخیرہ کرنے کے لیے زیر زمین تعمیر ہوا تھا، اب یہ سیاحوں کو اس دور کے طرز تعمیر سے آگاہی فراہم کرتا ہے۔

برج غلطہ

غلطہ پل (ترکی زبان: Galata Köprüsü) شاخ زریں، استنبول، ترکی میں واقع ایک پُل ہے۔ جو زمانہ قدیم سے مختلف صورتوں میں اس کھاڑی پر مختلف صورتوں میں موجود رہا ہے اور آج جو پل اس مقام پر قائم ہے وہ پانچواں پل ہے۔ غلطہ پل خصوصاً 19 ویں صدی کے اواخر سے ترک ادب، تھیٹر، شاعری اور ناولوں کا حصہ بنتا رہا ہے۔ آثار قدیمہ میں سے اس برج غلطہ کے اوپر سے 360 ڈگری زاویے سے استنبول اور باسفورس کا انتہائی خوبصورت نظارہ کیا جا سکتا ہے۔

شاخ زریں پر قائم قدیم ترین پل کے شواہد چھٹی صدی عیسوی میں ملتے ہیں جب جسٹینین اعظم نے شہر کے مغربی کنارے پر تھیوڈیسیائی دیواروں کے قریب ایک پل

تعمیر کیا تھا۔ 1453ء میں فتح قسطنطنیہ کے موقع پر ترکوں نے کشتیوں سے ایک متحرک پل قائم کیا تا کہ افواج کو شاخ زریں کے دوسرے کنارے پر پہنچایا جا سکے۔

برج غلطہ

توپ قاپی محل

یہ 15 سے 19 ویں صدی تک عثمانی سلاطین کی رہائش گاہ تھی اور اب ایک عجائب گھر کی حیثیت سے اس شہر کے چند بڑے سیاحتی مقامات میں سے ایک ہے۔ ہزاروں کمروں پر مشتمل اس محل کی تعمیر کا آغاز قسطنطنیہ فتح کرنے والے سلطان محمد فاتح کے حکم سے ہوا تھا اور اس خلافت کے طرزِ تعمیر کا عظیم ترین نمونہ مانا جاتا ہے، جس میں لاتعداد نوادرات موجود ہیں۔ اس کا یہ نام مشہور ہونے کی وجہ یہ ہے کہ اس کے مرکزی دروازہ پر توپیں نصب تھیں اور یہ توپ والا دروازہ کہلاتا تھا۔

گرینڈ بازار

استنبول کا یہ بازار دنیا کے چند بڑے بازاروں میں سے ایک ہے ساٹھ گلیوں میں پھیلا ہوا ہے۔ جہاں ترک ثقافت کی اشیا، زیورات، قالین، لالٹینیں اور اسی طرح کے مقامی خزانے کی اشیا کو دیکھا یا خریدا جا سکتا ہے، درحقیقت اگر استنبول میں ایک دن کے لیے جانا ہو تو پورا دن یہاں گھومتے ہوئے بھی گزر سکتا ہے اور اشیا کی خریداری کے لیے زبردست بھاؤ تاؤ بھی کیا جا سکتا ہے مگر یہ بھی خیال رکھنا پڑتا ہے کہ اصلی کے نام پر نقلی چیز نہ خریدلیں۔

چراغاں محل

فائیو سٹار ہوٹل چراغاں محل، عثمانی خلافت کا ایک محل تھا جو باسفورس کے کنارے پر واقع ہے اور وہاں سے باسفورس برج اور اس سے پیچھے کا بہترین نظارہ کیا جا سکتا ہے، قدیم طرزِ تعمیر اور جدید آسائشات والے اس ہوٹل میں رہنا یادگار تجربہ ہے۔

تقسیم اسکوائر

قلب تقسیم اسکوائر ریسٹورنٹس، کیفوں، ہوٹلوں اور دکانوں کا مرکز ہے۔ اس کی گلیوں میں چلنے والی ٹرام کا ڈرائیو مسلسل لوگوں کو راستے سے ہٹانے کے لیے آوازیں لگاتا ہے یا ہارن بجاتا ہے۔ ٹرام کا سفر نہایت دلچسپ ہوتا ہے۔

ڈان نیوز میں شائع ہونے والے مضمون سے ماخوذ۔

اعلان برائے اشتہارات

کاروبار کی ترقی کے لیے اشتہارات کی اشاعت عصرِ حاضر میں کاروباری حضرات کی اہم ضرورت ہے۔ ادارہ پیشوا نہایت کم قیمت پر اس ضرورت کو پورا کرنے کے لیے حاضر ہے۔

A.4 ۔ فل سائز۔ کلر۔ 150£ ہاف پیج۔ کلر۔ 80£ کوارٹر پیج۔ کلر۔ 50£

پیشوا میں اشتہارات شائع کروانے کے لئے درج ذیل فون نمبر پر رابطہ فرمائیں

رانا عبدالصمد خاں 07792998973

برصغیر پاک وہند (مسلمانوں کی حالت زار)

مسلمان ریاستوں میں اقلیتوں کی حالت زار

تحریر: رانا محمد حسن خاں

قسط 10

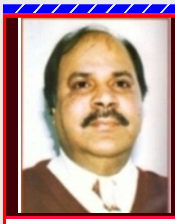

گزشتہ شماروں میں مسلمان ریاستوں سعودی عرب، مصر، ملائشیا، انڈونیشیا وغیرہ میں اقلیتوں کی حالت زار بیان کرنے کے بعد برصغیر پاک وہند میں مسلمان حکومتوں کے دور کا ذکر کیا جا چکا ہے۔ مولانا حسین احمد مدنی صاحب کی کتاب نقش حیات میں مسلمان سلاطین کے دور کو غیر مسلموں اور مسلمانوں کے لیے جنت نظیر بتایا گیا ہے۔ مولانا کے نزدیک ہندوستان میں علم اور خوشحالی کے ان سلاطین کے دور میں دریا بہتے تھے۔ گزشتہ تین چار شماروں میں ان سلاطین کا پول کھولنے کے بعد ضروری ہے کہ اعلیٰ مذہبی ہستیوں کی زبانی مسلمانوں کی زبوں حالی اور مسلمانی کا احوال بھی بیان کیا جائے۔ آیئے دیکھتے ہیں انگریزوں کی آمد سے پہلے مسلمانوں کی علمی اور خوشحالی کا کیا عالم تھا۔

حضرت مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندیؒ مکتوب نمبر ۶۵ میں لکھتے ہیں:۔

مخبر صادق حضور نبی کریم ﷺ نے فرمایا ہے کہ:۔

”الاسلام بدا غریبا و سیعود کما بدا فطوبی للغربا“۔

ترجمہ: اسلام مسافر کی طرح ظاہر ہوا (یعنی اسے بہت کم لوگوں نے پہچانا) اور عنقریب اپنی ابتدائی غربت کی طرف لوٹ جائے گا۔“ (صحیح مسلم، ابن ماجہ وطبرانی)

پس خوشحالی ہے غربا کے لیے یعنی اس کی مدد کرنے والوں کی۔

غربت اسلام اس حد تک پہنچ چکی ہے کہ کفار اعلانیہ اسلام پر اعتراضات اور مسلمانوں کی مذمت کرتے ہیں۔ اور بے تحاشا کفر کے احکام کا اجراء اور کوچہ و بازار میں کفار کی مدح وثنا کرتے پھر رہے ہیں۔ اور مسلمانوں کو اسلامی احکام کے اجراء سے روک دیا گیا ہے اور احکام شریعہ کے بجالانے میں ان کی مذمت اور ان پر طعن وتشنیع کی جاتی ہے۔

پری نہفتہ رُخ و دیو در کرشمہ و ناز
بسوخت عقل ز حیرت کہ ایں چہ بوالعجبی ست

ترجمہ: ”پری تو اپنا منہ چھپائے رکھے اور شیطان کرشمہ وناز دکھائے۔ حیرت سے عقل جل جاتی ہے کہ یہ کیا عجیب معاملہ ہے۔“

(اردو ترجمہ مکتوبات امام ربانی حضرت مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندیؒ۔ ترجمہ: مولانا سعید احمد صاحب امام مسجد داتا گنج بخش۔ طبع اول ۱۹۷۰ء۔ طابع وناشر مدینہ پبلشنگ کمپنی بندر روڈ کراچی۔ مکتوب نمبر ۶۵ دفتر اول حصہ دوم۔ صفحہ ۲۱۰۔۲۱۱)

معزز قارئین! دوسرے ہزار سال کے مجدد حضرت مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندیؒ (پیدائش: جمعۃ المبارک 14 شوال 971ھ۔ 26 جون 1564ء—وفات: بروز سہ شنبہ 28 صفر المظفر 1034ھ 10 دسمبر 1624ء) کے دور کی حالت زار بیان کرتے ہوئے سیرت امام ربّانی حضرت مجدد الف ثانی کے مصنف علامہ ابو البیان محمد کتاب کے سرنامہ میں لکھتے ہیں:۔

”حقیقت یہ ہے کہ آپ کا ظہور ایسے اہم عہد اور ایسے نازک موقع میں ہوا جبکہ ہندوستان اپنی تاریکی کے انتہائی مدارج طے کر چکا تھا، ضلالت وگمراہی خسران وطغیان، جور وتشدد، اکراہ واستبداد، ظلم وستم، جبر وتظلم کی گھنگھور گھٹاؤں نے اس کو کچھ اس درجہ ڈھانک لیا تھا کہ اس کے مطلع کی درخشانی کی توقعات بھی اسی تیرگی وتاریکی میں پنہاں ہوگئی تھیں۔

عوام چھوڑ خواص کی یہ حالت تھی، کہ تاریکی کے تہ بتہ، حجابوں نے ان کی چشم بصیرت کو معطل کر رکھا تھا، ان کے نزدیک ہر انحراف، عدل، معصیت عین تقویٰ رزالت، محض شرافت اور سیئات، حسنات تھے۔

غضب تو یہ تھا کہ اس ضلالت کے زمانہ میں حاکم مدعی اسلام تھا، جو اکبر کے نام سے مشہور تھا۔ مگر حالت یہ تھی کہ پیشانی پر قشقہ لگائے اور گلے میں زنار پہنے ہوئے ہندو وزراء کے ہمراہ بتوں کے آگے جبین نیاز جھکائے بیٹھے ہیں۔ دربار شاہی میں وہ حشر بپا تھا کہ الامان! الامان! شرک کی تعلیم علی الاعلان بابانگ دہل دی جاتی تھی، درباری آداب سجدہ تھا، قوانین خلاف شریعت جاری کر دیے گئے تھے، ابو الفضل و فیضی کا الحاد وزندقہ شبانہ روز ترقی پذیر تھا۔ ایک مسلمان کے لیے کلمہ دین کا برملا پڑھنا محال ہوگیا تھا، غرض بشری طاقتیں شاہی مقابلہ سے عاجز تھیں، دیندار سراسیمہ و پریشان گرداب حیرت میں سرگرداں امداد غیبی کے منتظر تھے اور بزبان حال پکار رہے تھے، کہ

پھنسی ہے کشتیٔ حق اب بھنور میں کفر و ظلمت کے
خدایا! نوحؑ سا پیدا پھر کوئی نا خدا کر دے

(سیرت امام ربّانی حضرت مجدد الف ثانی از علامہ ابوالبیان محمد۔ ناشر ایچ ایم سعید کمپنی کراچی۔ سن طبع جدید ۱۴۰۹ء)

علامہ ابوالبیان محمد صاحب نے مسلمانوں کی تاریکی اور ضلالت اور رسوائی کا باعث اکبر اعظم کو ٹھہرایا ہے۔ اور جن نے اکبر کو گمراہ کیا تھا، ان کا پوری کتاب میں ذکر تک نہ کیا۔ تاریخ مذاہب ہمیں بتاتی ہے کہ ہمیشہ نام نہاد علماء مذاہب بربادی کے بیج بوتے ہیں اور زہریلی فصل نہ بادشاہوں کو چھوڑتی اور نہ عوام کو۔ امت مسلمہ میں بھی یہی نام نہاد فرقہ مولویاں ہی جس نے علم و دانش کے محل ویران کرتا ہوا اس مقام پر لے آیا ہے کہ ۱۵۷ اسلامی ملک مل کر بھی فلسطین، کشمیر، روہنگیا مسلمانوں کو معمولی ریلیف دلانے سے بھی قاصر ہیں۔ یقیناً اکبر بادشاہ میں بھی کمزوریاں تھیں مگر اگر نام نہاد علماء کی کمزوریوں سے موازنہ کیا جائے تو اکبر بہت بہتر حالت میں دکھائی دے گا۔ اکبر اور علماء کے متعلق تاریخ ہمیں بتاتی ہے کہ:

اکبر اعظم پڑھا لکھا عالم فاضل نہیں تھا مگر علم حاصل کرنے کی شدید خواہش نے اسے علماء سے رابطہ کرنے اور انہیں سننے کی طرف راغب کر دیا۔ علمی پیاس بجھانے کے لیے اکبر اعظم نے عبادت خانہ بھی تعمیر کروایا، جہاں علماء بیٹھ کر مباحثات کیا کرتے تھے۔ یہ وہی عبادت خانہ ہے جہاں مذہبی علماء کی پہلی لڑائی اس بات پر ہوئی تھی کہ کون کہاں بیٹھے گا؟ اکبر اعظم کو جب مذہبی علماء کی اس کرتوت کا علم ہوا تو اس نے خود ان کی نشستیں مقرر کیں۔ آخر کار مذہبی کہلانے والے علماء کی لمبے عرصہ تک کرتوتیں دیکھنے کے بعد اسے احساس ہوا کہ یہ تھالی کے بینگن ہیں۔ رواداری جیسے حسین پھول کی دلنواز خوشبو کے لیے ان کے خمیر میں کوئی جگہ نہیں ہے۔ اکبر اعظم کی شاندار پچاس سالہ حکومت کا راز رواداری ہی تو تھا اور یہ علماء رواداری کے اسی طرح دشمن تھے جس طرح آج کے علماء مذہبی رواداری سے کوسوں دور ہیں۔ آخر کار اکبر اعظم کو ان سے پیچھا چھڑانے کا درج ذیل واقع کے بعد موقع مل گیا۔

مغل بادشاہ کو ۱۵۷۹ء میں متھرا کے قاضی نے یہ شکایت کی کہ ایک برہمن نے مسجد کے تعمیری مواد میں سے کچھ اٹھا لیا، واپسی کے مطالبے پر برہمن نے توہین رسالت بھی کر دی۔ سزا کے معاملے پر مولویوں میں اختلاف ہو گیا، کچھ قتل کرنا چاہتے تھے اور کچھ کوڑے لگانا چاہتے تھے اور اکبر بادشاہ اس کی زندگی بچانا چاہتا تھا۔ مگر بادشاہ کے فیصلے سے پہلے شیخ عبدالنبی نے اسے قتل کروا دیا۔ اکبر نے تمام علماء سے عبادت خانہ میں برہمن کے قتل پر رائے لی تو علماء کی اکثریت نے شیخ عبدالنبی کے خلاف فیصلہ دیا۔ اس پر بادشاہ اکبر نے آخری فیصلہ کیا جس کے نتیجے میں مولویوں کے فیصلوں کا دروازہ بند ہو گیا۔ فیصلہ مختصراً یہ تھا۔ ۱۔ ایسے تمام مولوی جنہوں نے اکبر کو کافر قرار دیا، عوام کو بغاوت پر اکسایا، انہیں قتل کر دیا گیا۔ مخدوم الملک اور شیخ عبد النبی کو حج پر واپس نہ آنے کی ہدایت پر بھیج دیا۔ (بعد میں بلا اجازت وطن واپس آنے پر ان دونوں کو قتل کر دیا گیا تھا) ۔۲۔ پنجاب کے علماء کو ہندوستان کے مختلف علاقوں میں بھیج کر ان کی طاقت کو توڑ دیا گیا۔ ۳۔ اکبر نے ان علماء کو جن کا وطیرہ بلا تفریق مذہب و ملت انصاف تھا اور فتنہ و فساد اور بغاوت شیوا نہیں تھا ملازمت اور مالی امداد دی۔ ۴۔ سلطنت کے اہم معاملات مذہبی علماء کی بجائے حکیم ابوالفتح، حکیم حمام، حکیم علی حکیم عین الملک اور فیضی جیسے دانشوروں کے سپرد کر دیے۔ اور ان لبرل دانشوروں کی نگرانی میں علماء کو دے دیا۔ علماء کے زوال کے ساتھ ہی اکبر کے عقائد کے بارے میں علماء کی طرف سے پھیلائی گئی باتیں بھی آہستہ آہستہ ختم ہو گئیں۔ اور اکبر کے بعد دو جانشین جہانگیر اور شاہ جہاں ان مولویوں کے اثر سے آزاد رہے۔ آج بھی ایک آخری فیصلے کی ضرورت ہے۔ اور یہ آخری فیصلہ نام نہاد علماء کی سرکوبی ہے۔ ان نام نہاد علماء نے عصر حاضر میں مسلمانوں کی اسلامی سوچ پر کاری ضرب لگائی ہے۔ اور یہ ایسی کاری ضرب ہے جو مسلمانوں کے لیے مہلک ثابت ہو رہی ہے۔ اسلامی دنیا کی حالت زار بآسانی ملاحضہ کی جا سکتی ہے۔ اتنے جوتے پڑ رہے ہیں جنہیں شمار کرنا ممکن نہیں۔ یہ مصیبت نام نہاد علماء کی ہی لائی ہوئی ہے۔

آپؒ اپنے ایک مکتوب میں بدعات کی شدید مخالفت کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ:

''لوگوں نے کہا ہے کہ بدعت کی دو قسمیں ہیں: بدعت حسنہ اور بدعت سیئہ۔ بدعت دافع سنت ہے، اس فقیر کو ان بدعات میں سے کسی بدعت میں حسن و نورانیت نظر نہیں آتی اور سوائے ظلمت اور کدورت کے کچھ محسوس نہیں ہوتا۔''

حضرت مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندیؒ نے مسلمانوں کے متعلق فرمایا تھا کہ:۔

''آپ جانتے ہوں گے کہ گزشتہ زمانے میں اہل اسلام کے سروں پر کیا کچھ گزر چکا ہے۔ ابتدائے اسلام کے وقت جبکہ مسلمان تعداد میں بہت تھوڑے تھے اس وقت بھی اہل اسلام کی کسمپرسی اس حد کو نہیں پہنچی تھی، کیونکہ مسلمان اپنے دین پر قائم تھے اور کفار اپنے طریقہ پر۔''

اکبر اعظم، جہانگیر اور شاہ جہاں نے نام نہاد علماء کو دھتکارے رکھا۔ یہ نہیں کہ اچھے علماء سے بھی دوری اختیار کی ہو، جہانگیر نے حضرت مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندیؒ

کو گرفتار ضرور کیا تھا مگر ان کی پاکیزگی اور بے لوث خدمت اور شاندار تعلیمات نے اس کا دل صاف کر دیا اور جہانگیر بھی آپؒ کا گرویدہ ہو گیا۔ عالمگیر نے نام نہاد علماء کو جونہی عزت دینا شروع کیا توں ہی مغلیہ سلطنت کا زوال شروع ہو گیا تھا۔ عالمگیر کے زمانہ میں حضرت مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندیؒ کی وفات سے تقریباً سو برس کے بعد عالمگیر کی چھتر سایہ میں علماء کے ایک بڑے گروہ نے فتاویٰ عالمگیری مرتب کی۔ ان فتاویٰ نے شیعوں کو کافر قرار دیا جس سے مسلمانوں کا کمزور سا اتحاد بھی ختم ہو گیا۔ تفرقہ بازی کا منحوس کھیل شروع ہوا۔ حضرت مجدد الف ثانی الشیخ احمد سرہندیؒ کی بے مثال اسلامی خدمات کا اثر سو برس کے اندر نہایت کمزور ہو کر رہ گیا۔ نام نہاد علماء کو عالمگیر نے دربار کی زینت بنالیا، بہت ممکن ہے کہ عالمگیر کی نیت نیک ہو مگر ان نام نہاد علماء کا دربار کی زینت بننا ان کی بد نیتی کو ثابت کرتا ہے۔ جب بھی علماء کہلانے والے شاہی اعزازات اور عہدے قبول کرتے ہیں بربادی ہی آتی ہے۔

اور آخر کار طاقت ور مغلیہ سلطنت کا سورج ڈوب کر رہا۔

حضرت شاہ ولی اللہ محدث دہلویؒ شاہ ولی اللہ صاحب محدث دہلوی (۱۷۰۲ء تا ۱۷۶۲ء ۱۱۱۴ھ تا ۱۱۷۵ھ) کے زمانے میں مسلمانوں اور مسلمان بادشاہوں کے ساتھ ساتھ دیگر مذاہب کے افراد بھی شدید اذیت میں مبتلا تھے، اور اس کی وجہ نام نہاد مولویوں کی پیدا کردہ بد رسومات اور غیر اسلامی نظریات تھے۔ ان نام نہاد علماء کے متعلق حضرت شاہ ولی اللہؒ فرماتے ہیں:۔

”اگر نمونہ یہود خواہی کہ بینی علماء سوء کہ طالب دُنیا باشد۔۔۔“

ترجمہ: ”اگر تم یہود کا نمونہ دیکھنا چاہتے ہو تو آج کل کے علماء سوء کو دیکھو جو دُنیا کے طلبگار ہو چکے ہیں۔“

چہ داند طبیب خواہد از کسے رنج برد
کہ بے چارہ خواہد خود از رنج مرد

(وہ طبیب کسی کے مرض کا کیا علاج کرے گا جو خود مرض سے مرا جاتا ہو)

(الفوز الکبیر مع فتح الخبیر فی اصول التفسیر صفحہ ۱۰ باب اول مطبع محمد یہ بحوالہ تیسری جنگ عظیم اور دجّال از مولانا عاصم عمر صفحہ ۳۲)

حضرت شاہ ولی اللہؒ مسلمانوں سے خطاب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

”تمہارے اخلاق سو چکے ہیں، تم پر بے جا حرص و آز کا ہو کھا سوار ہے، عورتیں مردوں کے سَر چڑھ گئی ہیں، حرام کو تم نے اپنے لیے خوشگوار بنالیا ہے، حلال تمہارے لیے بے مزہ ہے۔۔۔ چاہیے کہ تم اپنی شہوانی خواہشوں کو نکاح کے ذریعہ پوری کرو، خواہ تمہیں ایک سے زیادہ نکاح کیوں نہ کرنے پڑیں، اس قدر خرچ کرو جس کی تم میں سکت ہو، تم نے نمازیں برباد کیں، تم نے زکوٰۃ کو بھی چھوڑ دیا ہے، تم میں بعض نے روزے چھوڑ رکھے ہیں، خصوصاً فوجی ملازم۔

(تفہیمات الٰہیہ و مقامات مظہری صفحہ ۱۰۲ از شاہ غلام حسین)

حضرت شاہ ولی اللہؒ علماء کو مخاطب کرتے ہوئے فرماتے ہیں:۔

”اے بدعقلو! جنہوں نے اپنا نام ”علماء“ رکھ چھوڑا ہے، تم یونانیوں کے علوم میں ڈوبے ہوئے ہو اور صرف و نحو و معنی میں غرق ہو اور سمجھتے ہو کہ یہی علم ہے، علم تو قرآن کی آیات میں ہے یا سُنّت ثابتہ قائمہ ہے۔ لیکن تم جن چیزوں میں اُلجھے ہوئے ہو اور جس میں سَر کھپا رہے ہو اس کو آخرت کے علم سے کیا واسطہ؟ تم نے دینی شعار اور اُس کے احکام کو تو پھیلایا نہیں۔“

پھر فرماتے ہیں:۔

”اِس زمانہ میں فقیہ اُس شخص کا نام ہے جو باتونی ہو زور زور سے ایک جبڑے کو دوسرے جبڑے پر پٹکتا ہو۔ جو فقہا کے اقوال قوی ہوں یا ضعیف سب کو یاد کر کے بغیر اِس امتیاز کے کہ ان میں سے کسی میں قوّت ہے، کسی میں نہیں ہے وہ انہیں اپنے جبڑوں کے زور سے چلتا کرتا ہے، فقہا جو پہلے عوام کے مطلوب تھے اب یہی عوام کے طالب ہو گئے ہیں اور سلاطین اور بادشاوں سے الگ رہنے کی وجہ سے جو معزز شمار کیے جاتے تھے اب بادشاہوں کے آستانوں پر جُھک کر ذلیل اور خوار ہو رہے ہیں۔“

(الفوز الکبیر، تاریخ مشائخ چشت صفحہ ۲۵۴)

مولانا حسین احمد مدنی صاحب نے شاید یہ سب نہیں پڑھا تھا، اگر پڑھا ہوتا تو انگریزوں کا ماتم نہ کرتے بلکہ اس دور کے علماء اور مسلمانوں کا نوحہ پڑھتے۔ عصر حاضر کی تصویر کشی بھی کی جائے گی جو یقیناً ستائش کے قابل نہیں ہوگی مگر سچ ہوگی۔

نواب صدیق حسن خاں صاحب (۱۲۴۸ھ تا ۱۳۰۷ھ) ہندوستان کے مسلمانوں کی حالت زار اور علماء کے بدترین ہونے فرماتے ہیں:۔

''اب اسلام کا صرف نام، قرآن کا فقط نقش باقی رہ گیا ہے۔مسجدیں ظاہر میں تو آباد ہیں لیکن ہدایت سے بالکل ویران ہیں۔علماء اِس اُمّت کے بدتر اُن کے ہیں جو نیچے آسمان کے ہیں۔انہیں سے فتنے نکلتے ہیں، انہیں کے اندر پھر کر جاتے ہیں۔'' (اقتراب الساعۃ صفحہ۱۲)

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ (وفات ۱۷۸۱ء) فرماتے ہیں:۔

''ہر چہار طرف کفرستان است'چاروں طرف کفرستان بن گیا ہے۔اِن ایام میں رزق حلال نایاب ہے اور جہالت کا دور دورہ ہے۔اکثر کی اولاد علم و ادب سے بے بہرہ ہے۔نکاح میں بدعات کے رواج سے بہت خلل پیدا ہو گیا ہے۔''

معزز قارئین!اٹھارہویں صدی میں مسلمانوں کی اخلاقی حالت بعینہٖ وہی تھی جو قوموں کے انحطاط اور قوموں میں زوال کے موقع پر ہوتی ہے۔

حضرت مرزا مظہر جان جاناںؒ مزید فرماتے ہیں کہ:

''معاملات تباہ ہو گئے اور شریعت کے مطابق عمل موقوف ہو گیا ہے۔'' (مقامات مظہری از شاہ غلام حسین ترجمہ اردو محمد اقبال مجددی صفحہ ۱۰۴ شائع کردہ اردو سائنس بورڈ ناشر محمد اکرام چغتائی طبع اول ۲۰۰۱ء)

حضرت مرزا مظہر جان جاناں کے خلیفہ قاضی ثناءاللہ پانی پتی لکھتے ہیں:۔

''ہندوستان میں اسلام ضعیف ہو چکا ہے،کفر کے ظہور اور مغلوبی اسلام کا دور دورہ ہے۔بادشاہوں میں جہاد اور اعلاء کلمۃ اللہ کی سکت نہیں رہی۔''

شاہ غلام حسین (خلیفہ اول مرزا مظہر جان جاناں۔وفات ۱۸۲۶ء) فرماتے ہیں۔

''جن دنوں چیچک کی وبا پھیلتی تھی تو مسلمانوں کے گھروں میں طرح طرح کے ٹونے ٹوٹکے عمل میں آتے تھے،اِس موقع پر بالعموم سیتا دیوی کی پوجا ہوتی تھی۔اُن ایام میں نہ صرف دہلی بلکہ سارے ہندوستان میں جادوگر، شعبدہ باز موجود تھے۔میر شمس،تقی بھگتیہ اور نمود اور انمود جیسے جادوگر موجود تھے۔انہوں نے اپنی شعبدہ بازی کے ذریعے اتنی شہرت حاصل کر لی تھی کہ بادشاہ تک اُن کے معتقد ہو گئے تھے،عورتوں میں اُن کا اثر بہت بڑھ گیا تھا۔''

خلیفہ شاہ غلام حسین صاحب مزید فرماتے ہیں:۔

''مرقع دہلی کے مطالعہ سے معلوم ہوتا ہے کہ اس دور میں مزارات عیاشی کا اڈہ بن گئے تھے۔بسنت کے روز عوام و خواص قدم حضرت رسالت پناہ (دہلی) کے مقام پر جمع ہوتے تھے ،قوالی، مُجرا اور پری پیکر نازنین بھی شامل ہوتی تھیں،یہاں سے فارغ ہو کر لوگ مع ساز و سامان راگ و رنگ، دیگر مزارات پر جاتے تھے۔دہلی کے تقریباً ہر عُرس پر موسیقار بکثرت جاتے تھے۔حضرت مظہرؒ نے اس دور کی عورتوں کی جہالت اور مذہب سے بیگانگی کا ذکر بھی کیا ہے وہ بزرگوں کے نام پر روزے بھی رکھتی تھیں۔جہلا اولیاء کے مزارات پر حج کے ارادہ سے جاتے تھے۔اور اُنہوں نے اُن کی قبروں کو سجدہ گاہ بنا لیا تھا۔اسی وجہ سے چودھویں صدی کے فقیہہ احمد رضا خان کو عورتوں کے عُرسوں میں شمولیت اور مزارات پر جانے کے عمل کو غیر شرعی قرار دینا پڑا۔''

(مقامات مظہری از شاہ غلام حسین ترجمہ اردو محمد اقبال مجددی صفحہ ۱۰۸ شائع کردہ اردو سائنس بورڈ ناشر محمد اکرام چغتائی طبع اول ۲۰۰۱ء)

مشہور صوفی خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ (پیدائش ۱۷۶۹ء) فرماتے ہیں:۔

”حدیث: اعمالکم عمّالکم۔ تمہارے اعمال ہی تمہارے حاکم ہیں۔اس زمانہ میں جب کہ مسلمانوں نے نبی کریم ﷺ کی متابعت کو چھوڑ دیا ہے۔حق تعالیٰ نے کافروں کو ان پر مسلط کر دیا ہے۔“

”اگر بالفرض اِس زمانہ میں اصحاب نبی ﷺ موجود ہوتے تو اِس زمانہ کے لوگوں کو کافر کہتے۔ اِس لیے کہ اِس زمانہ کے لوگوں نے شریعت کی پیروی چھوڑ دی ہے۔اور اگر یہ لوگ ان کو دیکھتے تو انہیں مجنوں اور دیوانہ کہتے کیونکہ ان کے سارے اخلاق اور افعال شریعت کے مطابق تھے اور خواہشات نفسانی سے پاک“ اس پر یہ شعر پڑھا

یا ربّ ہمہ خلق را بہ من بدخو کُن
و ز جملہ جہانیاں مرا یک سُو کُن

پھر مسلمانوں کی بدحالت کے متعلق فرماتے ہیں:۔

”علامات قیامت میں سے ایک یہ بھی ہے کہ عجیب وغریب امراض پیدا ہوں گے،جن کی تشخیص اور علاج سے دنیا کے حکیم اور ڈاکٹر عاجز آ جائیں گے۔۔۔۔۔قرب قیامت کی دوسری علامت یہ ہے کہ حاکموں اور برسر اقتدار طبقہ سے عجیب قسم کے کام سرزد ہوں گے اور مخلوق خدا ان کاموں سے حیران و پریشان ہوگی۔۔۔۔۔۔اس زمانہ میں اگر بیٹا باپ سے خوش ہو کر بات کرے گا تو اس کو مبارکباد کہا جائے گا نیز فرمایا کہ ہر جوڑ (یعنی باپ بیٹے،میاں بیوی،،بہن بھائی،،دوست یار) کا تعلق الٹا ہو جائے گا (بجائے محبت کے دشمنی پیدا ہو جائے گی) جیسا کہ اس زمانہ میں ہے۔اس کو بھی علامات قیامت میں شمار کیا گیا ہے۔چنانچہ حدیث شریف میں آیا ہے۔کل زوج علیٰ خلاف العکس۔اس سے پہلے اس کا صحیح مفہوم معلوم نہیں ہوتا تھا۔اب اس زمانہ کے حالات دیکھنے سے پورا مطلب ظاہر ہو گیا ہے یعنی ہر جوڑا جیسے باپ اور بیٹا،،شاگرد اور استاد،مرید اور پیر،میاں اور بیوی ان میں ہر ایک کے درمیان دشمنی پیدا ہو گئی ہے۔مگر اس کے برعکس پہلے زمانہ میں چھوٹا اپنے سے بڑے کی صحبت میں اس کی پیروی کے ساتھ رہتا تھا یعنی بیٹا شاگرد،مرید اور عورت اپنے باپ،استاد،مرشد اور خاوند کی متابعت کرتے تھے اب معاملہ اس کے برخلاف ہے۔“

(نافع السالکین۔ملفوظات صوفی خواجہ محمد سلیمان تونسویؒ۔ترجمہ محمد حسین للٰہی اشاعت ۱۹۶۱ء شائع کردہ خانقاہ چشتیہ سلیمانیہ۔للّہ شریف ضلع جہلم۔صفحات۔۳۶۔۵۷۔۱۳۸)

معزز قارئین! ان بزرگان سلف کے ملفوظات درج بالا سطور میں بیان کیے گئے جن سے مسلمان حد درجہ عقیدت رکھتے ہیں۔ان سب نے گواہی دی ہے کہ مسلمان علمی ،عملی اور معاشی طور پر کنگال ہو چکے تھے اور یہ بھی بتا دیا کہ اس کنگالی نے ان سے حکمرانی بھی چھین کر غلامی کی بھاری زنجیر پہنوائی تھی۔الطاف حسین حاؔلی نے بڑی عمدگی سے ان بزرگان کے ملفوظات کی اشعار میں ترجمانی کی ہے۔کہتے ہیں

کتاب اور سنت کا ہے نام باقی
خدا اور نبی سے نہیں کام باقی
نبی کو جو چاہیں خدا کر دکھائیں
اماموں کا رتبہ نبی سے بڑھائیں
مزاروں پہ دن رات نذریں چڑھائیں
شہیدوں سے جا جا کے مانگیں دعائیں

(انشاءاللہ اگلے شمارہ میں انیسویں اور بیسویں صدی عیسوی کے مسلمانوں کی حالت پر بات ہوگی)

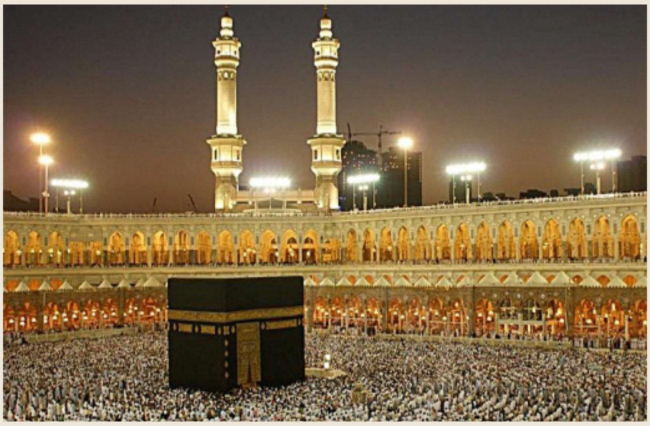

"مکّہ مکرمہ"

قسط3

(إِنَّ أَوَّلَ بَيْتٍ وُضِعَ لِلنَّاسِ لَلَّذِي بِبَكَّةَ مُبَارَكًا وَهُدًى لِّلْعَالَمِينَ.)

(عالم اسلام کیلئے محبت وعقیدت، ایمان ویقین کا مرکز)

تحریروتحقیق: سیّد حسن خان۔لندن

گزشتہ شمارہ میں مکّہ مکرمہ کی تاریخ بیان کی گئی تھی۔فضائل مکّہ بیان کرتے ہوئے صفاومروہ کے متعلق بھی معلومات بیان کر دی گئیں تھیں۔قارئین کرام گزشتہ شمارہ میں جہاں سے مضمون کا سلسلہ منقطع ہوا تھا وہیں سے مضمون کا اگلا حصہ شروع کرتے ہیں۔

مسعٰی ۔(سعی کرنے کی جگہ): سعی کرنے کی جگہ ماضی میں مسجدحرام سے باہر تھی۔پہلی باراس جگہ کوسایہ دار بنایا گیامسجد حرام ملایا گیا۔اس کاعمل حسین بن علی کے عہد میں ہوا پھر 1375 ھجری پہلی مرتبہ مسعٰی کی تعمیر عمل میں آئی۔

مسجدحرام کی تعمیر: خانہ کعبہ آنحضرت ﷺ کی بعثت کے بعد تک کھلے ہوئے صحن کی شکل میں تھا۔مسجد کے چاروں طرف اہل مکہ کے مکانات تھے۔ان مکانات کے درمیان وہ گلیاں اورراستے تھے جو خانہ کعبہ تک جاتے تھے۔مگر زمانہ گزرنے کے ساتھ ساتھ متعدد بار طواف کی جگہ کی توسیع ہوتی رہی۔چنانچہ حضرت عمر فاروق رضی اللہ عنہ نے وہ سب مکانات خریدے جومسجد حرام سے متصل تھے ان سب کو منہدم کر کے ان کی زمین کومسجد حرام میں شامل کر دیا۔اورخانہ کعبہ کے چاروں طرف اونچی دیوارتعمیر کروائی۔اوران دیواروں پر چراغ رکھے جاتے تھے۔جن کی روشنی مسجد حرام میں پہنچتی تھی۔اس کے بعدحضرت عثمان رضی اللہ عنہ نے مسجد حرام کے دالان تعمیر کروائے جن کے نیچے لوگ سایہ میں طواف کرتے تھے۔جن کی مساحت اور پیائش تقریباً 2040 مربع میٹر تھی۔اس کے بعد 65ہجری میں حضرت عبداللہ بن زبیرؓ نے بھی مذید توسیع کروائی جو کہ 4050 مربع میٹر کردی۔اس کے بعد 91ہجری میں اموی خلیفہ ولید بن عبدالملک نے مسجد حرام کی مزید توسیع کا حکم جاری کیا۔اس میں پتھر کے ستون کو مصراورشام سے منگوا کران ستونوں کے اوپر والے حصہ پرسونے کی پلیٹیں چڑھائی گئی۔اورمسجد حرام کی چھت کی توسیع کی۔37ہجری میں عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور نے بھی مزید توسیع کروائی اورپہلی دفعہ حطیم کے فرش کو سنگ مرمر سے بنوایا۔اوراس کے زمانہ میں مسجد حرام کا رقبہ 4700 مربع میٹر ہوگیا۔پھر 60ہجری میں عباسی خلیفہ مہدی نے مسجد حرام کی تین سمتوں مشرق شمال اورمغرب کی جانب توسیع کروائی۔306ہجری میں عباسی خلیفہ مقتدر باللہ نے مسجد حرام کے مغرب میں ایک دروازہ باب ابراھیم کا اضافہ کیا یہ دروازہ اس جگہ لگایا گیااورزبیدہ سیدہ کے دومکانوں کے وسیع وعریض صحن کی مذید توسیع اورازسرنوتعمیر کروائی۔یہ عمارت ابھی بھی باقی ہے اورتعمیر عثمانی سے معروف ہے۔1956ء میں سعودی دور میں پہلی دفعہ خانہ کعبہ کی مزید توسیع ہوئی۔جس میں مسجد حرام کے چاروں کے اطراف میں ایک خوبصورت عمارت کا اضافہ کیا گیا جس میں پہلی بارسعی کی جگہ کی تعمیر کی گئی اورسعی کو خانہ کعبہ سے ملادیا گیا۔جبکہ اس سے قبل سعی میں بازار لگایا کرتا تھا۔اس کے بعد مسجد حرام کا کل رقبہ 193,000 میٹر ہوگیا۔جبکہ اس توسیع سے مسجد حرام میں چار لاکھ نمازیوں کی گنجائش ہوگئی۔جبکہ اس سے قبل 50,000 نمازیوں کی گنجائش تھی۔اس طرح سعودی دور میں اس وقت تک دن بدن مسجد حرام میں نمازیوں کی تعداد میں اضافہ ہوتا گیا اورنئی نئی اصلاحات کر کے خانہ کعبہ کی توسیع اورزائرین کی سہولت کے لئے ہرقسم کی آسانیاں پیدا کر دی گئیں۔موجودہ دور میں سعودی دور میں خانہ کعبہ کے چاروں طرف زائرین کے خانہ کعبہ کے طواف کرنے میں بڑے ہجوم کی آسانی کیلئے دومنزلہ پلیٹ فارمز بنادیئے گئے ہیں۔

مسجد حرام کے دروازے: کئی سوسال تک مسجد حرام کے دروازے نہیں ہوتے تھے اورخانہ کعبہ کے چاروں اطراف میں مکانات اورآبادی ہوا کرتی تھی۔سب سے پہلے حضرت عمر رضی اللہ تعالیٰ عنہ نے1ہجری میں یہ کام کروایا تھا۔وقت

کے گزرنے کے ساتھ ساتھ مسجد حرام کی توسیع ہوتی رہی۔اور دروازوں میں بھی اضافہ ہوتا گیا۔عباسی دور میں تعداد 19 تھی،عثمانی دور میں 26 ہوئی مگر اس وقت کل تعداد 139 ہے۔یہ تعداد مسجد حرام کے تہہ خانے اور پہلی اور دوسری منزلوں سب کو ملا کر ہے۔

مسجد حرام کے مینار: پہلا مینار 137 ہجری میں عباسی خلیفہ ابو جعفر کے زمانہ میں تھا اس کے بعد اسی دور میں تین اور مینار بنائے گئے۔اس کے بعد عباسی خلیفہ معتضد باللہ کے دور میں مزید توسیع کے دوران پانچواں مینار بنایا گیا۔پھر ترکی سلطان قایتبائی نے چھٹا مینار بنوایا۔عثمانی سلطان سلیم نے ساتواں مینار بنوایا۔جبکہ سعودی دور میں ان سب میناروں کو منہدم کروا کر 9 کی تعداد کر دی۔ہر صدر دروازے پر دو دو مینار بنوائے۔صدر دروازوں کے نام شاہ عبدالعزیز دروازہ،شاہ فہد دروازہ،عمر دروازہ،فتح دروازہ ہے۔نیز نویں مینار کی تعمیر صفا مروہ پہاڑی کے اوپر بنائے گئے گنبد کے پہلو میں ہے اور ہر مینار کی بلندی 89 میٹر ہے۔

منیٰ: منیٰ کا مقام مسجد حرام سے سب سے نزدیک ہے اس کی دوری حرم شریف سے 4 کلومیٹر ہے۔عرفات جانے سے پہلے حجاج کرام یہاں نویں ذی الحجہ کی رات گزارتے ہیں۔اور پھر عرفات اور مزدلفہ سے واپسی کے بعد گیارہ بارہ ذی الحجہ کی راتیں گزارتے ہیں۔

جمرات: جمرات کنکریوں کے اس مجموعہ کو کہتے ہیں جس سے ستون (شیطان) کو مارتے ہیں۔شیطان کو کنکریوں کے مارنے کی وجہ دراصل حضرت ابراھیم علیہ السلام کے واقعہ سے وابستہ ہے۔جب حضرت ابراھیم علیہ السلام مناسک کی ادائیگی کیلئے تشریف لائے تو جمرہ عقبہ (بڑا شیطان) کی جگہ پر شیطان نے آپؑ کو بہکایا۔تو حضرت ابراھیم علیہ السلام نے اسے 7 کنکریاں ماریں جس سے وہ بھاگ گیا۔پھر جمرا ثانی ظاہر ہوا تو اس کو بھی آپؑ نے سات کنکریاں ماریں اس سے وہ بھی بھاگ گیا۔اس کے بعد تیسرا جمراہ ثانی (چھوٹے شیطان) نے بہکانے کی کوشش کی تو اس کو بھی آپؑ نے سات کنکریاں ماریں جس سے وہ پھر غائب ہوگیا۔(روایت الحاکم فی المستدرک بن ابی عباس رضی اللہ عنہ حدیث نمبر 1713)(حوالہ مکہ مکرمہ ماضی و حال کے آئینہ میں)

مزدلفہ: زلفی کے معنی قریب کے ہیں جس کی وجہ یہ ہے کہ یہ مقام عرفات کے قریب ہے۔دوسری وجہ ممکن ہے کہ ازلف ہے جس کے معنی جمع کرنے کے ہیں۔ یہاں پر لوگوں کا اجتماع ہوتا ہے اس لئے اس کو مزدلفہ کہتے ہیں۔عرفات سے مزدلفہ کا فاصلہ 6 کلومیٹر ہے۔

مسجد خیف: تاریخی مسجد جمر اصغریٰ (چھوٹے شیطان) سے قریب ہی صانع نامی پہاڑی کے دامن میں واقع ہے۔اس مسجد کی تاریخ یہ ہے کہ اس میں آنحضرت ﷺ اور آپؐ سے قبل انبیاء کرام نے نمازیں پڑھی ہیں۔اس مسجد کی توسیع اور اصلاح و ترمیم کا کام سلاطین اور خلفاء کرامؓ کے زمانہ سے ہوتا رہا ہے۔اس مسجد کا رقبہ 34000 میٹر ہے جس میں 35000 نمازیوں کی گنجائش ہے۔

مسجد مشعر حرام: یہ مسجد مزدلفہ مین روڈ نمبر 5 پر واقع ہے۔یہ بالکل اسی جگہ پر واقع ہے جہاں پر آنحضرت ﷺ نے اپنے آخری حج حجۃ الوداع کے موقع پر مزدلفہ کا وقوف فرمایا۔اس مسجد میں 8,000 ہزار نمازیوں کی گنجائش ہے۔

وادی مُحسّرؒ: یہ وادی مشرقی سمت شبیر پہاڑ سے نکلی ہے۔یہاں ابراہہ کے ہاتھی آگے نہ بڑھ سکے اسی جگہ پر ابراہہ کے لشکر کو اللہ تعالی نے تباہ کیا تھا۔اس لئے حجاج کرام مزدلفہ سے منیٰ آتے وقت تیزی سے گزرتے ہیں۔جیسا کہ آنحضرت ﷺ بھی تیزی سے گزرے تھے۔(صحیح مسلم کتاب الحج۔باب حجۃ النبی ﷺ)

عرفات: یہ مبارک میدان مکہ مکرمہ سے جنوب مشرق میں ہے۔مسجد حرام سے اس کا فاصلہ 18 کلومیٹر ہے۔اس میدان میں ہر سال نویں ذی الحجہ کو حجاج کرام وقوف کرتے ہیں۔ظہر اور عصر کی نمازیں جمع کر کے پھر وقوف کرتے ہوئے غروب آفتاب تک دعا استغفار میں مشغول رہتے ہیں۔پھر غروبِ آفتاب کے بعد پھر مزدلفہ کی طرف روانہ ہو جاتے ہیں۔

جبل رحمت: یہ عرفات کے مشرقی جانب ایک چھوٹی سی پہاڑی ہے اس کی بلندی 65 میٹر ہے۔اس پہاڑی کے نشیب میں بڑی بڑی چٹانیں ہیں۔مسجد نمرہ سے اس کا فاصلہ تقریباً ایک میٹر ہے۔

مسجد نمرہ: مسجد نمرہ کی پہلی تعمیر دوسری صدی میں ہوئی۔یہ عرفات کی مغربی حدود میں وادی عرنہ کے بطن میں واقع ہے۔اس کی تعمیر اسی جگہ پر ہوئی جہاں پر آنحضرت ﷺ نے عرفہ کے دن مسلمانوں کو خطبہ ارشاد فرمایا تھا۔نیز نماز کی امات بھی کروائی تھی۔اس مسجد کی بھی کئی دفعہ تعمیر اور توسیع ہوئی آخری توسیع سعودی دور میں ہوئی اس مسجد کا رقبہ 110,000 میٹر ہے۔اس میں تین لاکھ سے زیادہ

نمازیوں کی گنجائش ہے مسجد کے 6 مینار میں اور مسجد کے اوپر تین گنبد میں اور اس کے صدر دروازوں کی تعداد دس ہے۔

مکہ مکرمہ کے تاریخی وجغرافیائی آثار یا مشہور مساجد

مسجد عائشہ یا مسجد تنعیم: یہ تاریخی مسجد، مسجد حرام سے شمالی سمت مدینہ روڈ پر واقع ہے۔ حرم شریف سے اس کا فاصلہ 6 کلومیٹر پر ہے۔ آنحضرت ﷺ نے حضرت ابوبکر صدیقؓ کے بیٹے عبدالرحمٰنؓ کو حکم فرمایا کہ وہ اپنی ہمشیرہ حضرت عائشہؓ کو مسجد تنعیم لے جائیں اور وہاں سے عمرہ کا احرام باندھ کر عمرہ ادا کریں۔ یہ حجۃ الوداع 10 ہجری کا واقعہ ہے۔ اسی نیت سے اس مسجد کو مسجد عائشہ کہا جاتا ہے۔ اس مسجد کی تعمیر پہلی بار محمد بن علی الشافعی نے کی تھی۔ پھر وقت کے ساتھ اس کی اصلاح وتجدید تعمیر ہوتی رہی۔ اس کا کل رقبہ 600 میٹر ہے اور 15,000 نمازیوں کی گنجائش ہے۔

مسجد جن: یہ مسجد جون نامی علاقہ میں واقع ہے۔ یہ مسجد حرام کی شمالی جانب 900 میٹر کی دوری پر ہے۔ اس مسجد کا دوسرا نام مسجد حرس بھی ہے۔

مسجد شجرۃ: یہ مسجد مکہ مکرمہ کے جون محلّہ میں واقع ہے۔ مسجد حرام سے اس کی دوری 700 میٹر ہے۔

مسجد رایہ (جھنڈے والی مسجد): یہ مسجد مکہ مکرمہ کے جودریہ محلّہ میں واقع ہے۔ مسجد حرام سے معلّٰی قبرستان جانے والے راستہ کے بائیں جانب پڑتی ہے۔ حرم شریف سے اس کی دوری 500 میٹر ہے۔ رایہ (جھنڈے والی مسجد) کہلانے کی وجہ یہ ہے کہ آنحضرت ﷺ نے فتح مکہ کے موقع پر اس مسجد کی جگہ پر جھنڈا نصب فرمایا تھا۔ اور یہاں پر نماز ادا فرمائی تھی۔ مرورِ زمانہ اس کی تجدید و تعمیر ہوتی رہی۔

مسجد اِجابۃ: یہ مسجد مکہ مکرمہ کے معابدہ محلّہ میں واقع ہے۔ مسجد حرام سے فاصلہ 2 کلومیٹر ہے۔ کہا جاتا ہے کہ آنحضرت ﷺ نے یہاں پر نماز ادا فرمائی تھی۔

مسجد جعرانہ: مکہ مکرمہ سے یہ مسجد شمال مشرق میں طائف روڈ پر واقع ہے۔ اس کی دوری دس کلومیٹر اور مسجد حرام سے اس کا فاصلہ بائیس کلومیٹر ہے۔ فتح مکہ کے سال بروز چہار شنبہ 18 ذی القعدہ کو جس وقت آنحضرت ﷺ غزوہ طائف سے واپس تشریف لا رہے تھے اس وقت آپؐ نے اس جگہ سے عمرہ کا احرام باندھا تھا۔ اس کی پیمائش 1600 میٹر ہے۔

مسجد بیعہ: یہ مسجد منیٰ سے قریب ہے، جمرات کے پل سے اتر کر اگر کوئی شخص مسجد حرام کی طرف جائے تو اس کے داہنے ہاتھ پر یہ مسجد پڑتی ہے۔ یہ مسجد شبیر نامی پہاڑی کی گھاٹی میں تھی جمرات کے پل اور اس کے آس پاس ہونے والی توسیع میں یہ مسجد ہوگئی ہے اور پہاڑ سے الگ ہوکر رہ گئی ہے اس کو عباسی خلیفہ ابوجعفر منصور نے 761ء میں تعمیر کروایا۔ اس مسجد کی تعمیر وتجدید مختلف اوقات میں ہوتی رہی۔ سعودی حکومت نے اس مسجد کو اپنی قدیم شکل پر باقی رکھا ہوا ہے۔

معلٰی قبرستان: یہ قبرستان آنحضرت ﷺ کے مبارک عہد سے لے کر آج تک اہل مکہ کا مشہور قبرستان ہے۔ مسجد حرام سے اس کا فاصلہ 700 میٹر ہے۔ اس کی پیائش تقریباً 100,000 میٹر ہے۔ اس قبرستان میں صحابہ کرامؓ کے علاوہ اہل مکہ اور زائرین کی بڑی تعداد میں مدفون ہیں۔ اس قبرستان میں ام المومنین حضرت خدیجہؓ حضرت عبداللہ بن زبیرؓ ان کی والدہ حضرت اسماء بنت حضرت ابوبکر صدیق رضی اللہ تعالیٰ عنہ وغیرہ کی قبریں ہیں۔

ام المومنین حضرت میمونہؓ کی قبر مبارک

حضرت ام المومنین میمونہؓ کا نکاح آنحضرت ﷺ سے 7 ہجری میں ہوا۔ ان کی قبر نورایہ محلّہ میں ہے جو کہ مکہ مکرمہ اور جموم کے درمیان ہے۔ مسجد عائشہ سے بجانب شمال 11 کلومیٹر کی دوری پر ہے۔ قبر کے چاروں طرف احاطہ بنایا گیا ہے۔

جبل حراء: یہ پہاڑ مسجد حرام سے شمال مشرقی جانب طائف روڈ پر واقع ہے۔ مسجد حرام سے اس کا فاصلہ 4 کلومیٹر ہے۔ اس کی بلندی 281 میٹر ہے۔ اس کی چوڑائی اونٹ کی کوہان کے مشابہ ہے۔ اس پہاڑ کی چوٹی پر مشہور ترین غار حرا واقع ہے۔ قبلہ کی سمت اس غار میں ایک سوراخ ہے جس سے مسجد حرام نظر آتی ہے۔ اس غار کا طول تقریباً تین میٹر اور عرض دو میٹر ہے۔ آنحضرت ﷺ اس غار میں تشریف لاتے اور چند دن یہاں پر ہی اللہ تعالیٰ کی عبادت فرماتے تھے۔ اور اسی غار میں پہلی وحی "اِقْرَاْ بِاسْمِ رَبِّکَ الَّذِیْ خَلَقَ۔" نازل ہوئی۔ (سورۃ العلق)

جبل ابوقبیس: یہ مکہ مکرمہ کے مشہور پہاڑوں میں سے ایک ہے۔ جو کہ صفا مروہ پہاڑی سے ملا ہوا ہے۔ جس کو اللہ تعالیٰ نے دنیا میں سب سے پہلے زمین پر پیدا کیا۔ پھر بقیہ پہاڑ بعد میں اسی سے پھیلائے گئے۔ (روایت ابن عباسؓ)

(بقایا اگلے شمارہ میں ملاحظہ فرمائیں)

باروخ اسپینوزا (Baruch Spinoza)

قسط 2

(تحریر: رانا محمد حسن خاں)

گزشتہ شمارہ میں باروخ اسپینوزا (24November1632–21 February 1677) کے یونانی فلسفہ تک کے مطالعاتی دور کا ذکر کیا گیا تھا۔اس مطالعاتی دور کا مزید حصہ قارئین پیشوا انٹرنیشنل کی خدمت میں پیش کیا جارہا ہے۔

باروخ اسپینوزا یہودی فلسفیوں کی کتب پڑھنے کے بعد مزید الجھ گیا۔ بجائے اس کے کہ اسے ان سوالوں کا جواب ملتا جن سوالات کی وجہ سے اسے دائرہ یہودیہ سے خارج کر دیا گیا تھا،اس کے ذہن میں مزید سوال جنم لینے لگے۔ یہاں سے اسپینوزا نے یونانی فلسفہ کا مطالعہ شروع کیا۔سقراط، افلاطون،ارسطو،ڈیما کریٹس اور دیگر کی کتابوں کو پڑھا اور انہیں ذہن نشین کیا بعدازاں مشہور دانشوروں جیسے انسلیم،،ایبلارڈ،ایکوئیناس وغیرہ کو پڑھا۔ مشہور اطالوی فلاسفر اور ریاضی دان گیوردانو برونو Giordano Bruno(1548ء تا 1600ء) کے خیالات نے اسپینوزا کو بہت متاثر کیا۔برونو کے خیالات کا خلاصہ یہ ہے کہ ’’وحدت کا خیال،انسانی دماغ کا شاہکار ہے،اس سے برتر اور بہتر کوئی خیال نہیں۔جملہ حقیقت، بلحاظ ذات علت واصلیت،واحد ہے اور خدا اور حقیقت ایک ہی شے ہیں،روح اور مادہ بھی ایک ہی ہیں کیونکہ ’’حقیقت‘‘ کا ہر سالمہ لاینفک طور پر روح اور مادہ سے مرکب ہے۔پس فلسفہ کا کام یہ ہے کہ کثرت میں وحدت کا مشاہدہ کرائے، اور مادہ میں روح کا پتا چلائے اور روح میں مادہ کا ثبوت بہم پہنچائے اور ایسا نظام عقلیہ مرتب کرے جس میں اجتماع ضدین ممکن ہو سکے، اور عالمگیر وحدت کے اس ارفع علم کا درس انسان کو دے جسے ’’محبت الٰہی‘‘ کے نام سے تعبیر کیا جاتا ہے‘‘۔

برونو نے علم حاصل کرنے کے لیے بے حد مشقت اٹھائی،دور دراز کے سفر اختیار کیے۔برونو کے فلسفہ نے مذہبی نام نہاد ٹھیکیداروں کی نیندیں اڑادی تھیں ان مذہبی جوکروں کے پاس برونو کے کسی سوال کا تسلی بخش جواب نہیں تھا۔اور انہوں نے برونو کے ساتھ وہی کیا جو دانشوروں کے ساتھ ہمیشہ سے ہوتا آیا ہے یعنی برونو کو نا ہنجار مذہبیوں نے کافر قرار دے کر واجب القتل ٹھہرایا۔نام نہاد منصفوں نے اپنے حکم میں یہ بھی کہا کہ ’’برونو کو جہاں تک ہو سکے رحم دلی کے ساتھ قتل کیا جائے تا کہ اس کے خون کا ایک قطرہ بھی زمین پر نہ گرے‘‘۔اور ایسا ہی عملاً کیا بھی یعنی برونو کو زندہ آگ میں جلا کر راکھ بنا دیا گیا۔

برونو کے بعد جس فلسفی کے خیالات نے باروخ اسپینوزا کی سوچ میں انقلاب برپا کیا،وہ فرانس کا مشہور فلسفی ڈیکارٹ تھا۔باروخ اسپینوزا کو ڈیکارٹ کے فلسفہ میں جو بات پسند آئی وہ یہ تھی کہ اس نے خدا اور نفس کو چھوڑ کر باقی تمام مظاہر کائنات کو ریاضی کے اصولوں سے سمجھایا تھا،نیز یہ کہ اس نے ایک ایسی ذات کا تخیل پیش کیا جو مادہ کی تمام مختلف صورتوں میں موجود ہے۔گویا برونو کے برخلاف ڈیکارٹ نے حقیقت میں دو حصوں میں تقسیم کر دیا،اس کے نزدیک تمام کائنات ایک مشین ہے لیکن خدا اس کائنات سے باہر ہے۔

باروخ اسپینوزا ۱۶۶۰ء کو ایمسٹرڈیم سے رائنز برگ آ گیا۔یہیں اس نے اپنے روحانی استاد ڈیکارٹ کی مشہور کتاب Meditation کا خلاصہ ایک ضمیمہ کے ساتھ شائع کیا۔ڈیکارٹ کے فلسفہ سے متعلق اس سے بہتر کوئی کتاب نہیں لکھی گئی۔باروخ نے ضمیمہ میں اپنے فلسفہ اخلاق کے اصول بھی بیان کیے تھے۔یہی وہ کتاب ہے جس نے باروخ کو دنیا سے متعارف کروایا۔چونکہ باروخ نے ڈیکارٹ کے فلسفہ پر نکتہ چینی بھی کی تھی،اس وجہ سے ڈیکارٹ کے شاگرد اس سے بحث کرنے آتے اور باروخ کی باتیں سن کر لاجواب ہو کر لوٹ جاتے۔بہت سے علماء اور فضلاء نے باروخ کی

قابلیت کے پیشِ نظر اسے رائنز برگ جو کہ ایک چھوٹا سا گاؤں تھا سے ہیگ میں مستقل سکونت پذیر ہونے کے لیے مجبور کیا۔ ہیگ میں اس کی بے حد قدر کی گئی۔ ارباب سیاست بھی اس کے مداح ہو گئے۔ ایک سیاست دان جین ڈی وٹ تو باروخ کا عاشق زار بن گیا۔ جس کی قیمت اس سیاستدان کو اپنی جان دے کر چکانی پڑی۔ ۱۶۷۲ء میں جین ڈی وٹ اور اس کے بھائی کو اس الزام میں پراسرار طور پر قتل کر دیا کہ ان کی وجہ سے ہالینڈ کو فرانس سے شکست کھانی پڑی۔ باروخ کو جب اپنے عزیز دوست کی موت کی خبر پہنچی تو وہ پھوٹ پھوٹ کر رویا اور اس کی بیگناہی ثابت کرنے کے لیے مجمع میں جانا چاہتا تھا مگر اسے روک دیا گیا۔

۱۶۷۳ء میں کارل لڈوگ نے باروخ اسپینوز کو ہیڈل برگ یونیورسٹی میں فلسفہ کی کرسی پیش کی۔ جس ضمیر کی آزادی کی خاطر اس نے یہود کی پنشن سے انکار کر دیا تھا اسی ضمیر کو آزاد رکھنے کے لیے باروخ اسپینوزا نے اس پیشکش کو ٹھکرا دیا اور جواباً خط میں لکھا: ”جناب محترم! اگر مجھے کبھی یہ خواہش رہی ہوتی کہ کسی یونیورسٹی میں پروفیسر ہو جاؤں تو آپ کی مہربانی سے میری یہ خواہش کب کی پوری ہو چکی ہوتی۔ لیکن مجھے خوف ہے مبادا میرے فلسفیانہ لیکچروں کی وجہ سے آپ کی بادشاہت میں قائم شدہ مذہب کو کسی قسم کا گزند پہنچے، پس میں باادب عرض کرتا ہوں کہ مجھے اس عزت سے معاف فرمائیے، کیونکہ میں اپنے ضمیر کی آزادی کو دنیا کی ہر شے پر مقدم رکھتا ہوں۔“

معزز قارئین! ضمیر کی آزادی کی خاطر بہت سارے دانشوروں نے بے حد قربانیاں دی ہیں۔ جب کبھی بھی ضمیر کی آزادی کی بات ہوگی برطانوی سر چارلس بریڈلے کا (26 September 1833 – 30 January 1891 Charles Bradlaugh --) کا بھی ذکر آئے گا۔ سر چارلس چار مرتبہ Northampton سے ایم پی کی سیٹ جیتے تھے۔ پہلی مرتبہ انہوں نے مذہبی کتاب پر حلف لینے کی بجائے اپنے آزاد ضمیر پر حلف لینے کا مطالبہ کیا جسے رد کر دیا گیا اور چارلس گھر چلے گئے، دوسری

چارلس بریڈلا

اور تیسری مرتبہ بھی ان کے مطالبے کو رد کر دیا گیا اور چارلس کو پارلیمنٹ میں بیٹھنا نصیب نہ ہوا۔ چوتھی مرتبہ ۱۸۸۶ء میں قانون تبدیل کر کے انہیں اپنے ضمیر پر حلف لینے کی اجازت دے دی گئی۔

۱۶۷۶ء میں لائب جونز جو ارسطو کے بعد سب سے بڑا منطقی، فلسفی، ریاضی دان، تاریخ دان، سیاستدان اور ادبی شخصیت سمجھا جاتا تھا اور دولت و ثروت اور وجاہت دنیاوی سے مالا مال تھا، نے باروخ سے ملاقات کی۔ لائب جونز اپنی ڈائری میں باروخ کے بارے لکھتا ہے کہ ”اسپینوزا دبلا پتلا، زیتونی رنگ کا آدمی تھا، صورت سے تپ دق کا مریض معلوم ہوتا تھا، وہ مختصر کمرے میں جو آرائش سے قطعاً عاری تھا، دن رات تن تنہا مطالعہ اور تصنیف میں مشغول رہتا۔“ بعض عیسائی مصنفین کے نزدیک کریکٹر اور ذاتی خوبیوں کے لحاظ سے باروخ کا قد، لائب جونز سے اعلیٰ و ارفع تھا۔ یہی وجہ تھی کہ عیسائی مصنفین نے باروخ کا درجہ حضرت یسوعؑ کے بعد قرار دیا ہے، اس سے باروخ کی بلندی کا اندازہ لگایا جا سکتا ہے۔

باروخ کی محبوبہ جو کہ اس کے استاد کی بیٹی تھی اور خود بھی اس کی استاد تھی نے جب ہمبرگ کے ایک نوجوان سے شادی کر لی تو باروخ نے اپنے استاد کا گھر جس میں وہ رہتا تھا چھوڑ دیا اور ایک عیسائی خاندان کے ساتھ رہنے لگا۔ مالی حالت کبھی بھی اچھی نہ رہی تھی۔ اپنی گزر اوقات کے لیے اسپینوزا دوربینوں اور عینک کے شیشوں کی صفائی کا کام کرتا تھا۔ یہودیوں میں رواج ہے کہ بچوں کو کوئی نہ کوئی ہنر ضرور سکھاتے ہیں، اسپینوزا کے مشکل وقت میں بچپن میں سیکھا اس عینک سازی کا ہنر بہت کام آیا۔ جب زیادہ مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا تو اسپینوزا نے مصوری بھی شروع کر دی۔

سازی کا ہنر بہت کام آیا۔ جب زیادہ مشکل حالات کا سامنا کرنا پڑا تو اسپینوزا نے مصوری بھی شروع کر دی۔ دنیا کے مصائب، خوراک کی کمی اور ورزش کی عادت نہ ہونے کے باعث نوجوانی سے ہی باروخ کی صحت خراب رہتی تھی مگر جس حوصلے کے ساتھ اس نے یہودی جماعت کی بدمعاشیوں کو برداشت کیا اپنی محبوبہ سے جدائی کے غم کو سہا تھا اور اپنے دوستوں کی موت پر صبر کا جام پیا تھا اسی حوصلے، بہادری اور خاموشی کے ساتھ اپنی شدید بیماری کا سامنا بھی کیا۔ باروخ اسپینوزا نے

ایمسٹرڈیم میں نصب باروخ اسپینوزا کا مجسمہ

اپنی تمام تصانیف علالت ہی میں تصنیف کی تھیں۔ طبیعت زیادہ خراب ہوتی تو چند دن مطالعہ اور لکھنے لکھانے کا سلسلہ منقطع ہو جاتا۔ علالت کے باوجود کثیر تعداد میں آنے والے خطوط کے جوابات بھی باروخ ضرور دیتا تھا۔

۱۶۷۶ء کے وسط میں جب اسپینوزا کی عمر ۴۴ برس تھی، شدید بیمار ہو گیا۔ نوجوانی ہی سے پھیپھڑوں کی بیماری جسے عرف عام میں ٹی بی کہا جاتا ہے باروخ کو لاحق تھی۔ پھر یہی بیماری جان لیوا ثابت ہوئی۔ اپنی موت سے پہلے اسپینوزا نے اپنی آخری کتاب بدقت تمام کی اور اس کتاب کا مسودہ ایک صندوق میں بند کر کے چابی مالکہ مکان کے سپرد کی اور کہا کہ میرے وفات کے بعد اس صندوق کی چابی اور صندوق ایمسٹرڈیم کے ایک پبلشر کو دے دینا۔ ۲۲ فروری ۱۶۷۶ء کو اتوار کے دن عظیم فلسفی باروخ اسپینوزا وفات پا گیا۔ اس کی موت کی خبر آناً فاناً شہر میں پھیل گئی۔ اس کے جنازہ میں ہر طبقہ کے لوگ موجود تھے، تدفین کے وقت اس دور میں جب کہ تنگ نظری اور مذہبی تعصب عروج پر تھے، قبرستان میں ہر مذہب وملت کے لوگ اسے خراج تحسین پیش کرنے کے لیے موجود تھے۔ باروخ اسپینوزا کا جینا ایک درویش کا جینا تھا۔

”جل مرتے ہیں آخر آگ اٹھانے والے“

جن نے جلائے تھے آگ بجھانے والے
جل رہے ہیں وہ آگ لگانے والے

آگ پر لوٹ رہے ہیں اہل ستم
جل مرتے ہیں آخر آگ اٹھانے والے

جو اہل فساد آگ پھانک رہے ہیں
یہی تو تھے کل آگ بھڑکانے والے

بہت تاپ لیے ہاتھ آگ جھاڑنے والو
بچ نہیں سکتے کبھی آگ برسانے والے

آتش جنونیت ، جنونی بجھا نہیں سکتے
مسیحا ہوتے ہیں فقط اسے بجھانے والے

اب بھی وقت ہے اے جلنے والو!
بلا لو جلدی سے آگ دبانے والے

رانا حسن

(انشاءاللہ آئندہ شمارہ میں باروخ اسپینوزا کے اخلاق و کردار اور تصانیف کا جائزہ لیا جائے گا۔)

کیا یہ وہی دَورتو نہیں؟ (3)

شگفتہ حسن صاحبہ۔لندن

آحرمی دور کی مزید نشانیاں پیش خدمت ہیں:

مسند احمد، سنن ابی داؤدو ابن ماجہ و صحیح ابن حیان و مستدرک حاکم میں عبداللہ بن مغفلؓ سے روایت ہے کہ رسول اللہ ﷺ نے فرمایا ہے" **انہ سیکون فی ھٰذہ الامّتہ قوم یعتدون فی الطّھُور و الدُعا** ۔" بے شک عنقریب اس اُمّت میں وہ لوگ ہوں گے کہ طہارت اور دُعا میں حد سے بڑھ جائیں گے۔اور اللہ تعالیٰ فرماتا ہے۔ **وَمَن یَتَعَدَّ حُدُودَ اللّٰہِ فَقَدْ ظَلَمَ نَفْسَهُ**۔ (سورۃ الطلاق آیت ۲) جو اللہ کی باندھی ہوئی حدوں سے بڑھے بے شک اُس نے اپنی جان پر ظلم کیا۔ (بحوالہ فتاویٰ رضویہ جلد ا)

اس کا مشاہدہ ہم رسوم ورواج میں جکڑے پاکستانی معاشرے میں کر سکتے ہیں۔نماز جو عبادتوں کی سرتاج ہے اُسے چٹکیوں میں ختم کرتے ہیں اور بعد از نماز لمبی لمبی دُعائیں کرتے ہیں۔معزز قارئین ذرا تصور تو کیجیے فتاویٰ رضویہ میں ۱۰۱۱ صفحات پر مشتمل کتاب الطہارۃ ہے۔اسی طرح دعا کا معاملہ ہے،مزاروں پر دعا، گریہ زاری کے ساتھ منار پاکستان اور دیگر مقامات پر اجتماعی دعا، جہاں دیکھو دعا ہی دعا کے مناظر۔اور حالت یہ ہے کہ شیری مزاری صاحبہ نے بتایا ہے کہ پاکستانی قوم دنیا میں پورنو فلمیں دیکھنے والی نمبر ا قوم ہے۔عجیب بات یہ ہے کہ سعودی فکر رکھنے والے مسلمان ہاتھ اٹھا کر کسی کے بھی مزار یا قبرستان میں دعا مانگنے کو شرک سمجھتے ہیں اور دوسرے مسلمان نا صرف اسے لازمی قرار دیتے ہیں بلکہ صاحب مزار سے مانگنا بھی جائز سمجھتے ہیں۔

آحرمی زمانہ میں ستارہ ذوالسنین اور دُم دار ستارہ طلوع ہوگا ۔ (حجج الکرامہ صفحہ ۳۴۵،مکتوبات مجدد الف ثانی جلد۲ صفحہ ۱۳۵،۱۳۶) ستارہ ذوالسنین ۱۲۹۹ھ میں نکلا تھا۔

(اخبار روزگار ۹ ستمبر ۱۸۸۳ء) دم دار ستارے کا طلوع و غروب کے عنوان سے مع تصویر کے دمدار ستارے پر تفصیل سے ایک مضمون الہٰ آباد سے شائع ہونے والے ادیب نامی رسالے میں شائع ہوا تھا۔مضمون نگار نے لکھا ہے کہ دمدار ستارہ ۷۵ برس کے وقفہ سے نمودار ہوتا ہے۔۱۹ اپریل ۱۹۱۰ء کو نمودار ہونے سے پہلے دمدار ستارہ ۱۸۳۵ء میں دکھائی دیا تھا۔

علامہ اقبال نے بھی اپنی ڈائری میں ۱۹ اپریل ۱۹۱۰ء کو نمودار ہونے والے دمدار کا نظارہ کیا تھا ۔اقبال کے بیٹے جسٹس جاوید اقبال نے انکی ڈائری Stray reflactions کے نام سے شائع کی ہے۔اس واقع کا ذکر کرتے ہوئے لکھتے ہیں کہ کل چار بجے کے قریب میں نے ہیلی کا کومیٹ دیکھا۔۷۵ سال میں ایک بار یہ ہمارے آسمانوں پر نمودار ہوتا ہے۔

اکثر اہل ارض رومی یعنی عیسائی ہوں گے۔ (صحیح مسلم جلد ۲ باب الفتن)

۲۰۱۵ء میں اکٹھے کیے گئے اعداد و شمار کے مطابق عیسائی دنیا کی کل آبادی کا اکتیس فیصد ہیں ان کی کل تعداد دو اعشاریہ تین بلین ہے۔عیسائیوں کی کل آبادی کا آدھا حصہ دس ممالک میں رہتا ہے۔ ۷۸ اعشاریہ ۵ ملین مذہبی کتاب بائبل دنیا میں سالانہ مفت تقسیم کی جاتی ہیں۔ ۲۰۱۷ء میں اکٹھے کیے گئے اعداد و شمار کے مطابق مسلمان دنیا کی کل آبادی کا چوتھا حصہ ہیں ان کی کل تعداد ایک اعشاریہ آٹھ بلین ہے۔ ۲۰۷۰ء تک مسلم آبادی دنیا کی سب سے بڑی آبادی بن جائے گی اس کی وجہ مسلمان خاندانوں میں شرح پیدائش میں زیادتی ہے۔اس وقت فی مسلم خاندان دو اعشاریہ سات بچے پیدا ہو رہے ہیں اور عیسائیت میں شرح پیدائش فی خاندان دو اعشاریہ دو بچے ہے۔ (اب ضروری ہے کہ مسیح موعود و امام مہدی جلد از جلد آئے کیونکہ عیسائی تیزی سے کم ہو رہے ہیں)

بہت سے لوگ دجّال کی پیروی اختیار کر لیں گے۔ (ترمذی باب الفتن فی فتنہ الدجّال)

اس وقت مسلمانوں کے تمام ممالک دجال کی گرفت میں ہیں۔

حضرت علیؓ سے روایت ہے کہ لوگ زکٰوۃ کو تاوان سمجھیں گے۔نماز ترک ہو جائے گی۔ (حجج الکرامہ صفحہ ۲۹۸،۲۹۷)

ہم نے تو وطن عزیز میں دیکھا ہے کہ اکثر لوگ زکٰوۃ نہ دینے کی خاطر اپنی رقم بنکوں سے نکلوا لیتے ہیں، جو دیتے وہ بھی بد دلی سے اور بہت کم دیتے ہیں۔بعض تو خود کو غیر مسلم تک ظاہر کرتے ہیں زکٰوۃ سے بچنے کے لیے۔

قبر پرستی ہوگی۔**اتخذا امتك قبور هم مسجد**.. (بحار الانوار جلد ۱۳ صفحہ ۱۶)

قبر پرستی بھی اسلامی عقائد میں شامل ہو چکی ہے۔مزاروں کی بھر مار ہے،کوئی ملک،شہر یا گاؤں ایسا نہیں جہاں قبر پرستی نہ ہو۔جسے یقین نہ ہو وہ پاکستان میں موجود لاکھوں مزاروں میں سے چند ایک کو جا کر دیکھ لے۔

امام مہدی کے زمانہ کی ایک علامت دابتہ الارض ہے۔(مسلم کتاب الفتن) علامہ تور بشتی نے اس سے طاعون کا کیڑا مُراد لیا ہے۔(عقائد مجددیہ الصراط السوی ترجمہ عقائد تور بشتی متوفی ۶۳۰ ہجری از علامہ شہاب الدین تور بشتی منزل نقشبندیہ کشمیری بازار لاہور)

امام مہدی کے زمانہ کی ایک علامت یاجوج و ماجوج کا خروج ہے۔(صحیح مسلم کتاب الفتن) یاجوج و ماجوج سے مراد آگ سے کام لینے والی طاقتیں ہیں۔آج کی ترقی یافتہ مغربی اقوام ہی یاجوج اور ماجوج ہیں۔اقبال نے کہا تھا ؎

کُھل گئے یاجوج اور ماجوج کے لشکر تمام
چشمِ مسلم دیکھ لے تفسیر حدب ینسلون

مفتی فیض احمد اویسی صاحب اپنی کتاب یاجو ماجوج میں لکھتے ہیں ایک روایت میں ہے کہ ”خُدا یاجوج ماجوج کے لیے کیڑے جیسی شے بھیجے گا وہ کیڑوں کی جیسی ہو گی جیسے اونٹ اور بکریوں کے ناک میں ہوتی ہے۔“

مُصنّف یاجوج ماجوج لکھتے ہیں کہ حضرت نواس بن سمعانؓ نے دجّال کے ذکر اور اُس کی سیدنا عیسیٰؑ کے ہاتھوں ہلاکت کے بعد ذکر فرمایا کہ:۔

”عیسیٰؑ کے پاس ایک قوم آئے گی جنہیں دجّال سے اللہ اُن کے جنّت میں درجات بیان کریں گے وہ اِس حال میں ہوں گے کہ اللہ تعالیٰ حضرت عیسیٰؑ کو وحی بھیجے گا کہ میں نے ایسے بندے نکالے ہیں کہ اُن کے ساتھ لڑنے کی کسی کو طاقت نہیں میرے اُن بندوں کو پہاڑ پر لے جایئے۔اِس کے بعد اللہ تعالیٰ یاجوج و ماجوج کو خروج کا حُکم فرمائے گا وہ لوگوں پر خروج کریں گے۔آتے ہی تمام پانی پی جائیں گے۔اور لوگ (مومن) اُن سے بچ کر قلعوں میں محفوظ ہو جائیں گے اور اپنے مویشی بھی ساتھ لے جائیں گے یاجوج و ماجوج تمام روئے زمین کا پانی چٹ کر جائیں گے یہاں تک کہ اُن کا کوئی نمائندہ کسی نہر سے گزرے گا تو وہ اکیلا ہی تمام نہر کا پانی پی جائے گا یہاں تک کہ وہ نہر خُشک ہو کر رہ جائے گی لوگ اُس کے بعد وہاں سے گزریں گے تو کہیں گے کہ یہاں تو پانی کی نہر تھی۔مومن لوگ سب کے سب قلعوں میں محفوظ ہوں گے یا شہروں میں ہوں گے۔

یاجوج ماجوج بحیرہ طبریہ سے گزریں گے تو اُس کا تمام پانی نگل جائیں گے یہاں تک کہ اُن کے بعد بعض لوگ گزریں گے تو کہیں گے یہاں تو بڑی نہر (طبریہ) تھی لیکن اُس وقت اُس میں معمولی سا پانی ہو گا۔حضرت عیسیٰؑ اور آپ کے رفقاء قلعوں میں محصور ہوں گے۔خوراک وغیرہ سب ختم ہو جائے گی۔اُس وقت بیل اور گدھے کا ایک سر سو دینار سے زیادہ بہتر ہو گا۔ (صحیح مسلم)

مسلم شریف وغیرہ کی ایک روایت میں ہے کہ یاجوج ماجوج کہیں گے ہم نے تمام اہل زمین کو مار ڈالا اب چلو آسمان والوں کو بھی قتل کر دیں وہ آسمان کی طرف تیر پھینکیں گے۔اللہ تعالیٰ اُن کے تیروں کو خُون آلودہ کر کے واپس کرے گا۔

بعض روایات میں ہے کہ یاجوج ماجوج کا کوئی ایک اپنا حربہ لہرا کر آسمان کی طرف پھینکے گا تو اُس کی طرف خُون آلودہ ہو کر واپس آئے گا یہ بھی ایک بہت بڑی آزمائش اور فتنہ ہو گا۔اللہ تعالیٰ کا نبی (حضرت عیسیٰؑ) اور آپؑ کے رفقاء خُدا کی طرف التجا کریں گے۔خُدا کیڑے بھیجے گا جو یاجوج ماجوج کی گردنوں میں لٹک جائیں گے۔“ (طاعون چوہے کے پسّو سے پیدا ہوتی ہے اور انسانوں کی گردن کے اطراف پر پیدا ہونے والی گلٹیاں طاعون کی سب سے بڑی علامت ہوتی ہے۔)

(یاجوج ماجوج از مفتی فیض احمد اویسی، پبلشرز بزمِ فیضانِ اویسیہ کراچی)

معزز قارئین! مفتی اویسی صاحب جو بریلوی مکتبہ فکر سے تعلق رکھتے ہیں نے اپنا عقیدہ بھی اس تحریر میں متعین کرتے ہوئے یہ بھی ثابت کر دیا ہے کہ حضرت عیسیٰؑ پر وحی بھی نازل ہوگی اور وہ نبی بھی ہوں گے۔آج کل مولوی لوگ بڑے زور شور سے حضرت عیسیٰؑ کی آمد ثانی کو بیان کرتے ہوئے بتاتے ہیں کہ وہ نہ نبی ہوں گے اور نہ ان پر وحی نازل ہوگی۔اویسی صاحب کی اس جرأت پر شاباش۔

ایک حدیثؐ میں مسیح موعود کے زمانہ کی ایک علامت اونٹوں کا استعمال متروک ہونا بھی ہے۔(مسلم کتاب الایمان نزول عیسیٰ بن مریم) (آج آگ کھا کر چلنے والی سواریوں نے اونٹوں کی جگہ لے لی ہے)

حضور صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔”قرب قیامت (آخری زمانہ) کی ایک علامت یہ ہے کہ مومن شخص اُس زمانے میں لوگوں کے درمیان خوف سے چلے گا“ اور فرمایا۔”کمینوں کی بہت کثرت ہو جائے گی اور شریفوں کی نہایت کمی رہ جائے گی“ اور فرمایا۔”اس وقت ایسے قاری ہوں گے جن کی عبادت آپس میں ایک دوسرے کی ملامت کرنا ہو گی، اُن کا نام فرشتوں کے پاس آسمانوں میں الانجاس الارجاس (ناپاک) ہو گا۔آدمی کے شَر کے خوف سے اُس کی عزت کی جائے گی“ اور فرمایا۔”جہلا منبروں پر چڑھ جائیں گے“ اور آپ صلی اللہ علیہ وسلم نے فرمایا۔”بے قصور آدمی کو قتل کیا جائے گا تا کہ عوام مشتعل ہوں۔“ (مسلمان ممالک میں یہ سب ہو رہا ہے)

(الاشاعۃ صفحہ ۸۲، بحوالہ ماہنامہ بناتِ عائشہ جون ۲۰۱۰ء صفحہ ۷۱، ۷۲)

اگر بغور دورِ حاضر کا مشاہدہ کیا جائے تو یہ حقیقت روزِ روشن کی طرح دکھائی دے گی کہ رسول اللہ صلی اللہ علیہ وسلم کی تمام پیشگوئیاں سچ ثابت ہوگئی ہیں۔ باقی اگلے شمارہ میں۔

بے زبان شیطان !!!

جناب رجب طیب اردگان نے امریکہ میں مسلم کمیونٹی سے خطاب کرتے ہوئے کہا ہے کہ ''کشمیر کا درد ہمارے وجود کا درد ہے۔ظلم کے مقابلے میں خاموش رہنے والا بے زبان شیطان ہے۔اگر ہر کوئی خاموش ہو تو ہم پھر بھی بولیں گے۔ترکی ظالم کے مقابلے میں ہر مظلوم کے ساتھ ہے۔انہوں نے مزید کہا کہ آج بھی ترکی اپنا تاریخی کردار ادا کر رہا ہے،اور ملکی شناخت دیکھے بنا وہ ظالم کے بجائے مظلوم کے ساتھ کھڑا ہے۔آج ترکی دنیا میں سب سے زیادہ مدد کرنے والا ملک ہے۔ہر مظلوم کے لیے ہمارے دل اور دروازے کھلے ہیں۔''

ہمیں سمجھ نہیں آتی کہ طیب اردگان کسے بے زبان شیطان کہہ رہے ہیں اور ان کی نگاہ میں کون زبان والا شیطان ہے۔شیطان تو شیطان ہی ہوتا ہے۔شیطان کی زبان بھی نہیں ہوتی زبان والے اور بے زبان شیطان کے چیلے انسان ہوتے ہیں۔ جناب اردگان سے پوچھنا چاہیے کہ صاحب گزشتہ دنوں کردوں کے خلاف ترکی کا آپریشن پیس سپرنگ ظلم تھا یا رحمت؟اس کی حمایت کرنے والے زبان والے شیطان ہیں یا بے زبان شیطان؟ یاد رہے عظیم مجاہد سلطان صلاح الدین ایوبی کی قوم کو جو عراق،شام،ایران اور ترکی میں دھکے کھا رہی ہے اس کا کوئی پرسان حال نہیں۔عراق میں صدام حسین کے دور میں ڈیڑھ سے دو لاکھ کے بیچ کرد مرد،بچوں اور عورتوں کو مار دیا گیا تھا۔ترک فوج بھی لگ بھگ چالیس ہزار کردوں کو ہلاک کر چکی ہے۔کردوں کو امریکا نے پاکستانی طرز کے مجاہدین بنا کر اپنے ہی پالے ہوئے نام نہاد دولت اسلامیہ کے شرپسندوں کی سرکوبی کے لیے استعمال کیا۔جب کام ختم ہو گیا تو امریکا ان کرد مجاہدین کو بے یار و مددگار چھوڑ کر ویسے ہی نو دو گیارہ ہو گیا جیسے افغانستان کے مجاہدین کو چھوڑ کر ایسے غائب ہوا تھا جیسے گدھے کے سر سے سینگ۔جونہی امریکا اس علاقہ سے نکلا طیب اردگان نے جو کشمیریوں پر بھارتی مظالم کا راگ آلاپ رہے تھے،ترک افواج کو کردوں پر حملہ کرنے کا حکم دے دیا،اس حملہ میں سینکڑوں کرد مرد و خواتین اور بچے ہلاک کر دیے گئے۔

اللہ تعالیٰ قرآن مجید فرقان حمید میں فرماتا ہے: فَرِيقًا هَدَىٰ وَفَرِيقًا حَقَّ عَلَيْهِمُ الضَّلَالَةُ إِنَّهُمُ اتَّخَذُوا الشَّيَاطِينَ أَوْلِيَاءَ مِن دُونِ اللَّهِ وَيَحْسَبُونَ أَنَّهُم مُّهْتَدُونَ ۔(سورۃ اعراف آیت ۳۱)ایک گروہ کو اس نے ہدایت بخشی اور ایک گروہ پر گمراہی لازم ہو گئی۔یقیناً یہ وہ لوگ ہیں جنہوں نے خدا کو چھوڑ کر شیطانوں کو دوست بنا لیا اور یہ گمان کرتے ہیں کہ وہ ہدایت یافتہ ہیں۔

اگر بغور دیکھا جائے تو معلوم ہوگا کہ امت مسلمہ میں اکثریت ایسے حکمرانوں کی ہے جو بے زبان شیطان کے زبان والے شیطان بن چکے ہیں۔یہ زبان والے شیطان اپنی زبانوں سے ظلم کے خلاف شاندار بیان بازی کرتے ہیں اور ان کے عمل بے زبان شیطان کے حکم کے مطابق ہوتے ہیں۔ایرانی،امریکا کو بزرگ شیطان کہتے ہیں،اور مسلمان حکمران اسی بزرگ شیطان کے لے پالک بیٹے ہیں۔

”نیوٹن اور آئن سٹائین ۔ ایک موازنہ“

تحریر و تحقیق: زکریا ورک ۔ ٹورنٹو کینیڈا

سر آئزک نیوٹن (۴ جنوری ۱۶۴۳ء تا ۳۱ مارچ ۱۷۲۷ء) اور آئن سٹائن (۱۴ مارچ ۱۸۷۹ء تا ۱۸ اپریل ۱۹۵۵ء) کی زندگیوں میں 237 سال کا عرصہ حائل ہے۔ نیوٹن کا باپ اس کی پیدائش سے قبل عدم آباد کو سدھار گیا تھا۔ اس کی والدہ نے نے اس کو دادی کی نگہداشت میں دے دیا۔ اس کو بچپن سے ہی ہاتھ سے چیزیں بنانے اور کام کرنے کا فطری شوق تھا۔ موسیقی سے اس کو زیادہ دلچسپی نہ تھی۔ آئن سٹائین کی پرورش ایک اچھے با اخلاق گھرانے میں ہوئی۔ اس کو والدین کا وافر پیار ملا۔ اس کو ہاتھ سے کام کرنے یا چیزیں بنانے کا زیادہ شوق نہ تھا۔ موسیقی اس کی فطرت میں یوں ودیعت کی گئی تھی جس طرح بادلوں میں بجلی ہوتی ہے۔ اپنے والدین کی طرح وہ بھی دھیمی آواز میں گفتگو کرتا تھا۔ دونوں سائنسداں اپنے والدین کی پہلی اولاد تھے۔ دونوں کی ولادت کے بعد بیٹیاں پیدا ہوئیں اس وقت دونوں کے والد کی عمر تیس سال سے کچھ اوپر تھی۔

دونوں سائنسدانوں کے خاندانوں میں کوئی ایک فرد بھی فطانت اور دولت کمانے میں ماہر اور عظیم المرتبت نہ تھا۔ دونوں کی زندگی رفتہ رفتہ ترقی کی جانب رواں دواں ہوئی۔ نیوٹن جسمانی طور پر نحیف تھا۔ آئن سٹائن نے بچپن میں دیر سے بولنا شروع کیا۔ دونوں خاموش طبع، آزاد خیال اور تنہائی پسند تھے۔ دونوں اپنی عمر کے بچوں کے ساتھ کے ساتھ کھیلنا پسند نہیں کرتے تھے۔ دونوں کی ذہانت و فطانت کا احساس لوگوں کو ان کے بچپن سے ہی ہو گیا تھا۔ دونوں کی طبیعت میں تجسس بہت تھا۔ دونوں کو مطالعے کا بے حد شوق تھا۔ دونوں میں یک سوئی کی قوت بلا کی حد تک تھی۔

نیوٹن اور آئن سٹائن کے والدین نے ان کے علمی ذوق کو ابھارنے میں کوئی مدد نہیں کی تھی۔ جو بھی علمی اور انٹلیکچوئیل سپورٹ ان کو ملی وہ خاندان کے باہر کے افراد سے ملی۔ آئن سٹائین نے سکول کے زمانے میں امتحانات میں اچھے گریڈ حاصل نہیں کئے اور یہ عرصہ بہت بد دلی میں گزرا۔ مگر اس کے انکل جیکب کی تیکھی نظروں نے اس کی فطرت قابلیت و علمیت کو پہچان لیا۔ اس لئے اس نے آئن سٹائین کی ہر ممکن مدد کی۔ نیوٹن دو سال تک طاعون کی مہلک وبا کے پھیلنے کی وجہ سے اسکول نہ جا سکا مگر اس کے قریبی دوستوں کلارک برادران اور ہنری اسٹوک Stoke نے اس کی والدہ کو مجبور کیا کہ وہ نیوٹن کو اسکول کے بعد کالج میں ضرور تعلیم دلوائے۔ اگر ایسا نہ ہوتا تو شاید یہ دنیا نیوٹن جیسے عظیم المرتبت انسان سے محروم رہ کر بہت کچھ گنوا بیٹھتی۔

دونوں جب بارہ سال کی عمر کو پہنچے تو لوگوں کو معلوم ہو گیا تھا کہ یہ غیر معمولی ذہانت و فطانت والے بچے ہیں۔ دونوں نے اپنے دور کی ممتاز درسگاہوں میں تعلیم حاصل کی۔ نیوٹن کے زمانے میں ریاضی کی تعلیم کا آکسفورڈ میں کیمبرج کی نسبت اعلیٰ انتظام و انصرام تھا۔ اسی طرح آئن سٹائین نے جرمنی کی اعلیٰ تعلیمی درسگاہوں میں تعلیم حاصل کی جہاں فزکس کی تعلیم کا نہایت عمدہ انتظام تھا۔ زیورخ کے پولی ٹیکنیکل انسٹی ٹیوٹ میں بھی فزکس کی تعلیم کا بہترین انتظام تھا۔

نیوٹن اور آئین سٹائن اس لحاظ سے بہت خوش قسمت تھے کہ دونوں کو اپنے زمانے کے افضل اور اعلیٰ ترین ریاضی کے ٹیچر نصیب ہوئے۔ دونوں بذات خود لائق و فائق شاگرد تھے مگر اپنی کلاس میں اول نہ تھے۔ دونوں نے سکول و کالج کے زمانے میں اعلیٰ تعلیمی ریکارڈ تو قائم نہ کئے تاہم دونوں نے بہت کچھ سیلف ایجوکیشن سے سیکھا۔ نیوٹن نے گریجوایشن سے پہلے Binomial theorem دریافت کیا جب کہ آئن سٹائن نے فزکس کے مروجہ قوانین اور تھیوریز پر ایک نئی جہت سے تنقید کر کے لوگوں کے سوچنے کی لکیر (لائن آف تھنکنگ) کو یکسر بدل دیا۔ نیوٹن کو اس کے اساتذہ ہر دلعزیز جانتے تھے جب کہ آئن سٹائن اپنے ہم جماعت طالب علموں کی نظر میں ہر دلعزیز تھا مگر اساتذہ سے اس کی زیادہ بنتی نہ تھی کیونکہ وہ ان سے عجیب و غریب مشکل سوال کرتا تھا۔ مثلاً آئین سٹائن نے یونیورسٹی کے پروفیسر سے پوچھا کیا سردی موجود ہوتی ہے Does cold exist? پروفیسر نے جواب دیا یہ کس قسم کا سوال ہے یقیناً سردی موجود ہوتی ہے۔ آئین سٹائن نے جواب دیا حقیقت یہ ہے کہ سردی موجود نہیں ہوتی Cold does not exist بلکہ فزکس کے قوانین کے مطابق حرارت کی غیر موجودگی کا نام سردی ہے۔ حرارت سے انرجی ٹرانسمٹ ہوتی اور 460 degrees F- پر سردی موجود نہیں ہوتی۔ پھر آئن سٹائن نے پوچھا کیا ظلمت darkness موجود ہے؟

پروفیسر نے جواب دیا، بالکل یہ موجود ہے۔ طالب علم نے جواب دیا آپ ایک دفعہ پھر غلط کہہ رہے ہیں، ظلمت دراصل ضیاء کے نہ ہونے کا نام ہے۔ ہم لائٹ کا مطالعہ کر سکتے ہیں مگر ظلمت کا نہیں۔

نیوٹن نے 22 سال کی عمر میں یونیورسٹی کی ڈگری حاصل کی جبکہ آئن سٹائن نے 21 سال کی عمر میں ڈگری حاصل کی۔ دونوں کے گریجوایٹ ورک میں جب خلل پیدا ہوا تو دونوں نے اکیلے تنہائی میں بذات خود تعلیم حاصل کی self teaching۔ دونوں کو درج ذیل سائنسی موضوعات پر ناقابل یقین حد تک عبور حاصل تھا۔ Motion, mass, energy, light, gravity, space & time نیوٹن نے موشن اور گریویٹی (کشش ثقل) کے موضوعات کو سائنس کی دنیا میں چار چاند لگائے جبکہ آئن سٹائن نے اسپیس اینڈ ٹائم کو دنیا میں انوکھے رنگ میں متعارف کرایا۔

نیوٹن کی شہرہ آفاق کتاب پرنسیپا 1687 میں جب منصۂ شہود پر آئی تو اس وقت اس کی عمر 44 سال تھی۔ آئن سٹائن کی کتاب جنرل تھیوری آف ریلے ٹیوٹی میں جب 1916 لوگوں کے ہاتھ میں آئی تو وہ اس وقت 37 سال کا تھا۔ ان مذکورہ کتابوں کے زیور طبع ہونے کے بعد دونوں اکسائے عالم میں مشہور ہوگئے۔ 1917 میں آئن سٹائن نے ریڈی ایشن کے موضوع پر ایک مقالہ زیب قرطاس کیا جو بعد میں لیزر بیم کی ایجاد میں بنیادی کام ثابت ہوا۔ اس مقالے کے صفحۂ قرطاس پر اتارے جانے کے پورے 43 سال بعد لیزر بیم 1960 میں ایجاد ہوئی۔ آئن سٹائن نے 1925 کے بعد ایک نظریاتی طبیعت داں کی حیثیت تحقیقی کام ختم کر دیا اور زندگی کے اگلے تیس سال اس نے یونی فائیڈ فیلڈ کانسپٹ Unified field concept یعنی کشش ثقل، برق مقناطیس قوتوں کے اتحاد میں عزم صمیم کے ساتھ صرف کر دئے۔ ان 30 سالوں میں اس نے جو سائنسی کام کیا اور جو مقالے رقم کئے ان کے نتائج ابھی تک دنیا میں پورے طور پر ظاہر نہیں ہوئے۔ 1952 میں ایک اٹامک ٹیسٹ سے جو debris پیدا ہوئیں اس کے مطابق عنصر Element 99 کا نام آئی زین ٹیم Eisentinium رکھا گیا۔ آئن سٹائن کے نام سے بہت سے ہسپتال، عمارات، شاہراہیں، سکول، کالج منسوب ہیں۔ جب کہ نیوٹن کے نام صرف ایک ٹیلی سکوپ رائیل گرین وچ آبزرویٹری میں منسوب ہے۔ لوگوں کے ناموں میں نیوٹن کا نام کم سننے میں آتا اور لوگ آئن سٹائن کے نام پر بچوں کے نام بہت کم رکھتے۔

نیوٹن اور آئن سٹائن کے مذہبی نظریات

نیوٹن نے جس ریاضت اور انہماک سے سائنس اور ریاضی کا مطالعہ کیا اسی طرح اس نے عیسائیت کا گہرا مطالعہ خود بڑے ذوق وشوق سے کیا تھا۔ اس کو لاطینی، یونانی اور عبرانی زبانوں پر قدرت کاملہ حاصل تھی۔ کیمبرج یونیورسٹی میں تعلیم کے دوران اس نے مذہب پر 17 سے زیادہ کتابیں اور مقالے زیب قرطاس کئے جن کے الفاظ کی تعداد دس لاکھ سے زیادہ متی ہے۔ اس کی ذاتی لائبریری میں سائنسی کتب کی نسبت مذہب پر کتابیں زیادہ موجود تھیں۔ اس نے بائبل کا مطالعہ بڑی عمیق نظر سے کیا تھا اور اسے اس الہامی کتاب پر پوری دسترس حاصل تھی۔ وہ ایک راسخ العقیدہ نصرانی تھا جس کو توحید پر یقین کامل تھا۔ اس کو تثلیث کے عقیدہ پر پورا ایمان نہیں تھا۔ وہ خالق اور مخلوق کو کسی حسابی مساوات کی طرح برابر نہیں سمجھتا تھا۔ پادریوں کے خوف سے اس نے عیسائیت کے بارے میں اپنے خیالات کا اظہار واشگاف طور پر نہیں کیا تھا۔ اس نے وقتاً فوقتاً عیسائیت پر جو مقالے اور مضامین لکھے ان کو ایک صندوق میں بند کر دیا تھا۔ اس کی رحلت کے بعد پادریوں اور حرچ کے عہدیداروں نے جب یہ صندوق کھولا تو بہت سٹپٹائے کیونکہ اس کے اندر جو کچھ ملا وہ قطعی طور پر خلاف توقع تھا۔ چنانچہ یہ صندوق بند کر دیا گیا آخر دوسو سال بعد جب یہ صندوق کھولا گیا تو دنیا پر یہ بات افشاں ہوئی کہ نیوٹن کے عقائد کسی حد تک توحید پرستی سے مطابقت رکھتے تھے۔ صندوق سے نکلنے والے 329 مسودات کتابی صورت میں 1936 Corpus Obscura کے عنوان سے منصۂ شہود پر آئے تھے۔

آئن سٹائن کے والدین اگر چہ مذہبی نہ تھے مگر میونخ میں قیام کے دوران اس نے ایک یہودی عبادت گاہ میں رکنیت اختیار کر لی تھی۔ جب وہ کم سن تھا تو اس نے ایک کیتھولک سکول میں تعلیم حاصل کی۔ جب وہ بارہ سال کا ہوا تو اس نے مذہبی کتابوں کا اپنے شوق سے مطالعہ شروع کر دیا۔ اس کی پہلی شادی میلوا مارک Mileva Maric سے ہوئی جو عیسائی دھرم کی پیروکار تھی۔ اس کے بطن سے دو بیٹوں اور ایک بیٹی Lieserl نے جنم لیا، بیٹی شادی سے پہلے پیدا ہوئی تھی۔ جب اس نے زندگی کے پچاس زینے طے کر لئے تو لوگوں نے چہ میگوئیاں شروع کر دیں کہ وہ ایک لادین انسان ہے۔ وہ ایک pantheistic God پر ایمان رکھتا تھا (یعنی خدا سب کچھ ہے اور سب کچھ خدا ہے) نہ کہ پرسنل گاڈ پر۔

جب وہ اپنی زندگی کے 61ویں زینے پر پہنچا تو اس نے پرنسٹن (نیوجرسی امریکہ) میں ایک سوئس مذہبی سکالر سے فری ڈم آف ہیومن سپرٹ کے موضوع پر مباحثہ کیا۔ جب وہ 67 سال کا ہُوا تو اس نے خودنوشت میں خدا کے حوالے سے بہت سی مدلل باتیں بیان کیں جن میں دو مقولے زبان زدعام ہیں ۔ God does not play dice with the universe. 2. God is subtle but not malicious.

سر آئزک نیوٹن کی شخصیت

نیوٹن کو عمدہ کپڑے زیب تن کرنے، لذیذ کھانے، شراب کا ہرگز شوق نہ تھا۔ بوقت صبح گرم چائے پینے کے بجائے وہ گرم پانی میں مالٹے کا چھلکا ابال کر اس میں چینی حلول کر کے پیتا تھا۔ ڈبل روٹی پر مکھن لگانا پسند نہیں کرتا تھا۔ جب وہ کسی دقیق مسئلہ پر غوروخوص کر رہا ہوتا تھا تو اکثر کھانا تناول کرنا بھول جاتا تھا۔ پھلوں میں سے سیب اس کا محبوب ومرغوب پھل تھا۔ شام کو کھانے کے ساتھ ذرا سی وائن پی لیتا مگر وہ الکحل کا عادی ہرگز نہیں تھا۔ کیمبرج یونیورسٹی سے فارغ ہونے کے بعد جب وہ سرکاری ملازم بن کر لندن آیا تو اس نے اعلیٰ نفیس لباس زیب تن کرنا شروع کر دیا۔ اس کو کھیل کود کا زیادہ شوق نہ تھا۔ شطرنج کبھی کبھار کھیلتا تھا۔ تمباکونوشی کا بھی شوق نہ تھا۔ نیوٹن چوبیس گھنٹے بغیر نیند کے بڑی آسانی سے تحقیق اور علمی کام کر لیتا تھا۔ رات دو بجے بستر پر جاتا اور صبح سات بجے نیند سے بیدار ہو جاتا تھا۔ جب وہ کوئی مقالہ لکھتا تو اس کو بار بار پڑھتا، غلطیوں کی اصلاح کرتا۔ اس کا ہینڈرائٹنگ خوشنما تھا۔

کیمبرج میں ٹیچنگ کے متعلق طلباء کا خیال تھا کہ اس کے لیکچر مشکل ہوتے، آسان زبان میں بات کرنا یا بات سمجھانا اس کے لئے جوئے شیر لانے کے مترادف ہوتا تھا۔ ریاضی کے خشک فارمولے، مساوات، دقیق علمی نکات اس کے لیکچر کا حصہ ہوتے تھے۔ اگر کسی بات پر ناراض ہو جاتا تو فوراً برہم ہو کر جواب دیتا تھا۔

کیمبرج کی عظیم درسگاہ سے فراغت کے بعد اس نے بہت دولت کمائی جس کو اس نے دانشمندی سے انوسٹ کیا اور اپنے عزیزوں دوستوں کو اس میں حاتم طائی بن کر کشادہ دلی سے دیا۔ ساری عمر تنہا کسی رفیقہ حیات کے بغیر پرسکون گزار دی۔ جب وہ برطانوی پارلیمنٹ کا ممبر بنا تو کبھی کسی بحث میں حصہ نہ لیا۔ جب سائنسی مقالہ لکھنے میں مصروف ہوتا تو چھوٹی سے چھوٹی بات کا خیال رکھتا۔ ایسے پیچیدہ سوالات جن کو حل کرنے میں لوگ کئی دن صرف کر دیتے وہ چند گھنٹوں میں ایسے مسائل حل کر دیتا تھا۔ جب کسی مسئلہ پر غوروخوص شروع کرتا تو پوری یک سوئی سے ساتھ کام کرتا۔ کہا جاتا ہے کہ جب اس نے کیمبرج میں ملازمت کا آغاز کیا تو ایک رپورٹ کا اس نے 18 مرتبہ ڈرافٹ لکھا تب جا کر اس کی تسلی وتشفی ہوئی تھی۔ اسی طرح اس نے رائیل سوسائٹی کے قیام کے وقت اس کے چارٹر کے چھ ڈرافٹ لکھے تھے۔

جب نیوٹن کے دماغ میں ایک نیا خیال جنم لیتا یا تھیوری پرورش پا رہی ہوتی تو وہ پوری کوشش کرتا کہ اس تھیوری یا آئیڈیا کا اس کو پورا پورا کریڈٹ ملے۔ بعض سائنسی تجربات کے نتائج اس نے سالہا سال شائع نہ کئے تا کہ اس کا کوئی اور کریڈٹ نہ لے جائے۔ 1672 میں نیوٹن نے روشنی پر اپنا پہلا مقالہ قلم بند کیا تو ہم عصر سائنسدان ہک Hooke نے تعریف کے ڈونگرے برسائے لیکن بعض ایک حصوں پر اس نے شدید تنقید کی جو نیوٹن کو بہت ناگوار گزری۔ چنانچہ جب اس علم بصریات Optics پر کتاب مکمل کر لی تو اس نے اس کی اشاعت میں صرف اس لئے تاخیر کی تا ہک عدم آباد کو سدھار جائے۔ **جب وہ پچاس برس کا ہُوا تو اس کا نروس بریک ڈاؤن ہو گیا کیونکہ وہ کئی راتیں مسلسل بغیر نیند کے ایک دم دار ستارہ تلاش کرتا رہا۔** اس کے دوسال بعد اس کو صحت یابی ہوئی۔ جب اس نے زندگی ۵۴ زینے پر قدم رکھا تو کیمبرج یونیورسٹی میں 35 سال کی ملازمت کے بعد لندن وارڈ آف منٹ بن کر آ گیا۔ اس کے بعد اس نے سائنس کا کوئی قابل فخر یا عظیم کارنامہ سرانجام نہیں دیا۔ (بقایا صفحہ 44 پر دیکھیں)

ہومیو پیتھک نُسخہ جات

برائے موٹاپا، کتے کا کاٹنا

وَإِذَا مَرِضْتُ فَهُوَ يَشْفِينِ

موٹاپے کا ہومیو پیتھک علاج

موٹاپا دور کرنے کے لیے فائیٹو لاکا، فائیٹو لاکا بیری اور فیوکس مفید ہومیو پیتھک ادویات ہیں۔

موٹاپے کے لیے فائیٹو لاکا بیری نہایت مفید ہے لیکن احتیاط کی ضرورت ہے اگر دل میں کمزوری محسوس ہو تو فوراً یہ دوا بند کر دینی چاہیے ورنہ جان لیوا دل کا حملہ ہوسکتا ہے۔ فیوکس دوا موٹاپے کے خلاف زیادہ موئثر ہے۔ جن لوگوں کا وزن کم کرنا مقصود ہو اُنھیں دستور کے مطابق کریٹیگس مدر ٹنکچر ضرور استعمال کروانی چاہیے جو دل کے لیے نہایت مفید ہے۔

بریٹا کارب ۲۰۰ ہفتے میں دو بار اور کلکیر یا کارب ۳۰ روزانہ دو بار استعمال کرنے سے وزن کم ہوسکتا ہے۔

بدن موٹا ہو جائے خصوصاً پیٹ موٹا ہو جائے تو فائیٹو لاکا، فاسفورس اور کولیسٹرینم ملا کر ۳۰ طاقت میں دن میں دو بار۔ (لگاتار لمبا عرصہ لینا نقصان دہ ہوسکتا ہے)

بھاری اور موٹے جسم کے لیے فائیٹو لاکا ۳۰ اور بریٹا کارب ۳۰ ملا کر روزانہ دو تین بار دینا مفید ہے۔

وہ عورتیں جو موٹاپے کا شکار ہوں، ہر وقت جسم میں دردیں ہوں اور وہ ہر وقت لیٹی رہیں اُن کے لیے منگنیم مفید ثابت ہوسکتی ہے۔

جن بچوں کے غدود پھیل جائیں اور جسم لٹکا ہوا ڈھیلا ڈھیلا ہو۔ سپونجیا (بعض لوگوں کی ٹھوڑی دہری ہو جاتی ہے اور نرم نرم گوشت لٹکنے لگتا ہے ان کے لیے کہا جاتا ہے کہ سپونجیا مفید ہے)

موٹاپے کے لئے ٹیوبرکولینم بھی مفید ہے۔

موٹاپے کے لئے گریفائٹس سی۔ ایم کی ایک خوراک بھی فائدہ مند ہے۔

گریفائٹس کے لئے ۱۰۰۰ طاقت بھی مفید ہے۔

اگر صبح ناشتے سے پہلے ایک ٹماٹر چند مہینے کھایا جائے تو موٹاپا دور ہوسکتا ہے۔

ایک چمچ رس لیموں ایک گلاس پانی میں ملا کر دن میں تین بار پینا مفید ہے بشرطیکہ یہ ناموافق نہ ہو۔ اگر کوئی پتلا ہونا چاہتا ہے تو اسے تمام میٹھی اور تلی ہوئی اشیاء کھانی چھوڑنی ہوں گی اور ترش چیزیں استعمال کرنی ہوں گی۔ میدہ کی روٹی، مکھن، دودھ، شکر، آلو اور شوربہ وغیرہ سے پرہیز کرنا ہوگا۔

کاٹے کا ہومیو پیتھک علاج

ہلکائے کُتے کے کاٹے کا علاج سٹرامونیم ہے۔ اس دوا کو ہائیڈروفوبینم ۳۰ یا ۲۰۰ سے ملا کر دینا نہایت مفید ہے۔ اگر کسی جگہ ٹیکے میسر نہ ہوں تو خواہ یہ پتہ نہ بھی ہو کہ کاٹنے والا کُتا پاگل تھا یا نہیں فوراً یہ دوائیں دینا چاہیے۔

ہلکائے کُتے کے کاٹنے سے گلے میں تشنج ہو جائے تو ہائیوسمس مفید ہے۔

اگر شہد کی مکھی کاٹ لے تو نیٹرم میور نہایت مفید ہے۔ اگر آرسنک اور لیڈم ملا کر دی جائے تو حیرت انگیز فائدہ ہوتا ہے۔

اگر سانپ کاٹ لے تو آرسنک، لیڈم اور آرنیکا ملا کر ۳۰ طاقت میں مریض کو دینا نہایت مفید نُسخہ ہے۔ (سانپ کے کاٹنے پر زخم کے نزدیک دل کی جانب رسی سے مظبوط باندھ دینا چاہیے ایک اور مظبوط بند ذرا اس سے اوپر باندھ دینا چاہیے۔ مریض خود یا کوئی عزیز زہر کو زور سے منہ سے چوس کر تھوک دے یاد رہے زہر چوسنے والے کے منہ میں کوئی زخم وغیرہ نہیں ہونا چاہیے۔ سانپ کے دانتوں کے نشان کو چاقو سے چھوٹے شگاف ڈال دیں تا کہ زہر وہاں سے بخوبی خارج ہو جائے پھر پانی کی دھاریں مارنا مفید ہے یا تیزاب سے جلا دیں یا دہکتا ہوا کوئلہ رکھ دیں یا گرم لوہے سے داغ دیں اس کے بعد اس پر مینگنی ٹیٹ آف پوٹاش بھر دیں۔ سینگی لگانا بھی مفید ہے۔ مریض کو ہرگز سونے نہ دینا چاہیے۔ کچھ اور ہومیو ادویہ بھی مفید ہیں۔ گولینڈر ینا۔ جن علاقوں میں سانپ کثرت سے ہوتے ہیں احتیاطاً دینا چاہیے۔ اس دوا کے استعمال سے جسم پر زہر کا اثر نہیں ہوتا۔ یوفوربیا پروستانا کوریڈ انڈین صدیوں سے سانپ کا زہر دور کرنے کے لیے استعمال کرتے

چلے آرہے ہیں۔اس کے علاوہ سڈرن اور سیلا جی نیلا (اس دوا کو دودھ میں ملا کر پلایا اور زخم پر لگایا جاتا ہے) بھی مفید ہیں۔

بچھو یا سانپ کے کاٹ لینے پر آرنیکا، لیڈم اور نٹرم میور ملا کر ۲۰۰ طاقت میں فوراً دس منٹ کے وقفے سے دو تین خوراکیں مفید ثابت ہوتی ہیں۔بعد میں چند دن روزانہ ایک دو بار۔مندرجہ بالا نسخہ ہر قسم کے زہریلے جانوروں کے کاٹنے پر بھی مفید ثابت ہوتا ہے۔

اگر بچھو ڈنک مار دے تو سوئی کی نوک سے ڈنک نکال دینا چاہیے اور اس پر مٹی کا تیل یا پٹرول یا سرکہ یا تمباکو کا سفوف یا دیا سلائی کا مصالحہ پانی کی بوند میں رگڑ کر اوپر مل دینا چاہیے اس کے علاوہ پیاز کا پانی ماؤف مقام پر لگانا مفید ہے۔(بھڑ کے کاٹنے پر بھی ڈنک نکال کر مندرجہ بالا چیزوں کا لیپ مفید ثابت ہوتا ہے) ہومیو پیتھی علاج لیڈم مدر ٹنکچر ہے اس کو ماؤف مقام پر لگانا چاہیے اور ۳۰ یا ۲۰۰ طاقت میں دن میں چند بار مریض کو کھلانی چاہیے۔امونیا بھی متاثرہ مقام پر ملنا مفید ہے۔ اگر زیادہ ورم ہو جائے تو ایپس ۳۰ یا ۲۰۰ ہر پندرہ منٹ بعد چند خوراکیں دینا مفید ثابت ہوتا ہے۔

جب مکڑی کاٹ لے آرنیکا ۳۰ اور لیڈم ۳۰ ملا کر دینا مفید ہے۔

اگر پسو یا مچھر کاٹ لے تو فوراً متاثرہ مقام پر نمک پانی میں گھس کر یا سوڈا یا پیاز کا پانی یا پھٹکڑی لگانا مفید ثابت ہوتا ہے۔لیڈم مدر ٹنکچر کا لیپ نہایت مفید ثابت ہوتا ہے۔۳۰ یا ۲۰۰ میں اندر لینی چاہیے۔

موچ آجائے تو!

اگر کلائی میں یا ٹخنوں میں موچ آجائے نیز اُنگلیوں کے کھچاؤ کے لیے روٹا نہایت مفید ہومیو پیتھک دوا ہے۔

اگر گھٹنے کی موچ میں آرنیکا، لیڈم اور بیلس وغیرہ اثر نہ کریں اور تکلیف مزمن ہو جائے تو سٹرونشیم کاربونیکم بھی دوا ہوسکتی ہے۔

ایڑھی میں موچ آجائے تو آرنیکا اونچی طاقت یعنی ایک ہزار طاقت میں مفید ثابت ہے۔اور اگر اعصابی رگوں میں بداثرات باقی رہ جائیں تو آرنیکا مفید نہیں ہوتی بلکہ ایکوزیٹم، روٹا اور لیکسس نہایت مفید ثابت ہوتی ہیں۔آرنیکا، برائی اونیا اور کاسٹیکم ۳۰ یا ۲۰۰ بھی مفید نسخہ ہے۔

موچ کے لیے آرنیکا، لیڈم اور بیلاڈونا ملا کر ۲۰۰ طاقت میں مفید نسخہ ہے۔فائدہ نہ ہونے کی صورت میں لیڈم کی جگہ بیلس ۲۰۰ ملانا مفید ہے

اگر بار بار موچ آنے کی وجہ سے ٹخنہ متورم ہو جائے اور مسلسل اس میں تکلیف رہے تو ایکوی زیٹم Equisetum بہت مفید ہے۔لیکن اس کی سوزش کا عموماً جوڑوں سے تعلق ہے۔

اگر ٹخنوں میں موچ آجائے اور اس مرض کی دیگر دوائیں کام نہ کریں تو رسٹاکس شفا کے عمل کو مکمل کرسکتی ہے۔

ٹیکہ کاری ایکشن کر جائے

اگر ٹیکہ ری ایکشن کر جائے تو Silicea، Kali Phos اور Ferrum Phos ملا کر ۶ ایکس طاقت میں چار پانچ دفعہ دینا مفید ثابت ہوتا ہے۔

ٹیکوں کے بداثرات دور کرنے کے لیے ہومیو پیتھک دوا Thuja اونچی طاقت میں مفید ثابت ہوتی ہے۔

اونچی طاقت میں Sulphur بھی مفید دوا ثابت ہوتی ہے۔

اپینڈے سائٹس

اپنڈے سائٹس Appendicitis یعنی زائد آنت کی سوزش جسے اپینڈکس بھی کہتے ہیں بہترین دوا آئرس ٹینکس ہے۔شدید درد ہو تو آرنیکا ۲۰۰ مفید ہے۔

اہم اعلان

پیشوا انٹرنیشنل میں ہومیو پیتھک و دیسی نسخہ جات شائع کرنے کا مقصد خدمت خلق اور قارئین کو علاج بالمثل کے فوائد سے آگاہ کرنا ہے۔کسی بھی ہومیو پیتھک نسخہ یا دیسی ٹوٹکے کو استعمال کرنے سے پہلے کسی مستند ہومیو فزیشن یا حکیم سے مشورہ کرنا ضروری ہے۔بغیر مشورہ کے نسخہ استعمال کرنا نقصان کا باعث بھی ہوسکتا ہے جس کا ادارہ پیشوا ذمہ دار نہیں ہوگا۔

(چیف ایڈیٹر۔رسالہ پیشوا انٹرنیشنل لندن)

شمائل نبوی ﷺ (ذکرِ الٰہی اور حمد و شکر میں رسول ﷺ کا اسوہ مبارک) قسط 7

(تحریر و تحقیق: چوہدری ناز احمد ناصر۔ لندن)

انسان جس چیز سے محبت کرتا ہے وہ اس کا بہت ذکر کرتا ہے۔ ہمارے پیارے نبی ﷺ کی پہلی اور آخری محبت تو اللہ تعالیٰ کی ذات تھی۔ آپ ﷺ دنیا کی دلچسپیوں سے بیزار عین عالم جوانی میں غارِ حرا کی تنہائیوں میں جا کر اس محبوب حقیقی کو ہی تو یاد کرتے تھے اور اسی میں آپ ﷺ کی زندگی کا سارا لطف تھا۔ آپ ﷺ کی اس وارفتگی کو دیکھ کر اہلِ مکہ بھی کہتے تھے کہ محمد (ﷺ) تو اپنے رب پر عاشق ہو گیا ہے۔

امر واقعہ یہ ہے کہ آپ ﷺ فنا فی اللہ کے اس مقام پر تھے جہاں انسان اپنے وجود کو بھی فراموش کر بیٹھتا ہے اور محویت کے اس عالم میں صرف اللہ تعالیٰ کی یاد ہی باقی رہ جاتی ہے۔ یہی وجہ ہے کہ آپ ﷺ کی زوجہ محترمہ کی روایت کے مطابق نبی کریم ﷺ ہر لحظہ و ہر آن خدا تعالیٰ کو یاد رکھتے تھے۔ (مسلم، کتاب الحیض، باب ذکر اللہ تعالیٰ فی حال الجنابة و غیرها: 558)۔ اس سلسلہ میں آپ ﷺ کا اسوہ کیا تھا، اس کی چند مثالیں پیش خدمت ہیں:

یادِ الٰہی میں آپ ﷺ کا شغف: یادِ الٰہی میں آپ کا جو طریق تھا اس کا کوئی ثانی نہیں۔ چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

1۔ آپ ﷺ دن ہو یا رات، خلوت ہو یا جلوت، عالم خواب ہو یا بیدار، کبھی بھی اپنے ربّ کی یاد کو نہیں بھولتے تھے۔ آپ ﷺ خود فرماتے تھے کہ "ایک مجلس میں بیٹھے ہوئے میں بعض دفعہ ستر (70) سے بھی زائد مرتبہ استغفار کرتا ہوں" (ابو داؤد، کتاب الصلوٰة، باب فی الستغفار: 1294)۔ صوفیا نے "دست در کار و دل با یار" کے محاورہ کے مطابق عشق کے جس مقام کا ذکر کیا ہے کہ ہاتھ کام میں لگے ہوں مگر دل یار کے ساتھ ہو، کا تعلق بیداری کی حالت سے ہی ہے۔ لیکن رسول کریم ﷺ اس سے بھی کہیں آگے تھے، آپ ﷺ کا دل سوتے ہوئے بھی یادِ الٰہی سے معمور ہوتا تھا۔ آپ ﷺ فرماتے تھے کہ: "جب میری آنکھیں سو جاتی ہیں تو بھی دل نہیں سوتا"۔

(بخاری، کتاب المناقب، باب کان النبی تنام عینه و لا ینام قلبه: 3304)

2۔ انسانی زندگی کا ایک لمحہ بھی اپنے خالق و مالک کی توفیق اور احسان کے بغیر ممکن نہیں بلکہ محتاج محض ہے، جب کہ صفت رحمانیت کے تحت بغیر کسی تقاضا کے اللہ تعالیٰ کے فیضان عام اور عنایات کے لامحدود سلسلہ نے اس کا احاطہ کیا ہوا ہے۔ پھر صفت رحیمیت کے طفیل انسان کی محنت کے اجر کا ایک لامتناہی سلسلہ بھی جاری و ساری ہے اور اللہ تعالیٰ کی ان گنت نعمتوں اور احسانات نے اس طرح انسان کو گھیر رکھا ہے کہ بے اختیار انسان کو اس قرآنی آیت کے آگے سر جھکانا پڑتا ہے کہ "اگر تم اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کو گننا چاہو تو شمار نہیں کر سکو گے" (سورۃ ابراہیم: 15) قرآن کریم میں اللہ تعالیٰ نے جہاں اپنے بندوں پر افسوس بھی کیا ہے کہ ان میں سے بہت کم شکر ادا کرنے والے ہوتے ہیں وہاں حق شکر ادا کرنے والوں کا تعریف کے ساتھ ذکر فرمایا ہے۔

3۔ ذکرِ الٰہی آپ ﷺ کے دل کی غذا تھا جیسے جسم کا انحصار دورانِ خون اور عمل تنفس پر ہے، آپ ﷺ کی روح کا دارومدار ذکرِ الٰہی پر تھا۔ دن بھر قضائے حاجت کے ہی چند لمحات ہوں گے جن میں اللہ تعالیٰ کے ذکر کی عظمت اور احترام کے باعث آپ ﷺ اس سے رک جاتے ہوں، شاید اس لئے قضائے حاجت سے فارغ ہو کر آتے تو غُفْرَانَکَ کی دعا کرتے تھے کہ "اے اللہ تعالیٰ! میں تیری بخشش کا طلبگار ہوں" (ترمذی، کتاب الطھارة، باب ما یقول اذا اخرج من الخلاء: 7)۔ اس میں بھی ایک راز تھا کہ یہ چند لمحے بھی کیوں یادِ الٰہی میں روک بنے۔

آنحضرت ﷺ کا شکرانہ نعمت: ہر انسان خدا تعالیٰ کی دی ہوئی نعمتوں کا شکر ادا کرتا ہے، مگر آپ سب سے بڑھ کر خدا تعالیٰ کی عطا کردہ نعمتوں کا شکر ادا کرتے تھے۔ اس سلسلہ میں چند مثالیں پیش ہیں۔

1۔ حضرت نوح علیہ السلام کی تعریف کرتے ہوئے اللہ تعالیٰ قرآن کریم میں فرماتا ہے کہ "وہ عبد شکور تھے" (سورۃ الاسرا: 171) یعنی اللہ تعالیٰ کے بہت شکر گذار بندے۔ حضرت ابراہیم علیہ السلام کے بارہ میں فرمایا کہ "اللہ تعالیٰ کی نعمتوں کا شکر ادا کرنے والے تھے" (سورۃ النحل: 122) پھر آنحضرت ﷺ کو ارشاد ہوتا ہے کہ "آپ اللہ تعالیٰ کی عبادت کریں اور شکر کرنے والے بندوں میں شامل ہو جائیں" (سورۃ الزمر: 40)۔ اللہ تعالیٰ کا اپنے شکر گذار بندوں سے وعدہ ہے کہ "وہ انہیں اور زیادہ نعمتیں عطا فرماتا ہے" (سورۃ النساء: 114) ہمارے نبی کریم ﷺ نے واقعی حق شکر ادا کر کے اللہ تعالیٰ کے بے شمار انعامات سے حصہ پایا، اللہ تعالیٰ فرماتا ہے کہ "آپ ﷺ پر اللہ کا بہت بڑا فضل ہے"۔ (سورۃ النساء: 114)

2۔ رسول اللہ ﷺ کی اصل معراج آپ ﷺ کی ''نماز'' تھی، جس میں آپ ﷺ کی آنکھوں اور دل کی ٹھنڈک تھی (نسائی، کتاب عشرۃ النساء، باب حب النساء: 3879) عام لوگوں کا نماز میں دل نہیں لگتا اور نماز میں ہو کر بھی خیالات کہیں اور ہوتے ہیں۔ اس کے برعکس نبی کریم ﷺ کا دل نماز کے علاوہ اوقات میں بھی نماز میں ہی اٹکا ہوتا تھا۔ اللہ کو اتنا یاد کرنے کے بعد بھی آپ ﷺ اپنے رب کے حضور یہ دعا کرتے تھے کہ رَبِّ اجْعَلْنِي ذَاكِرًا لَكَ شَاكِرًا (ابو داؤد، کتاب الصلوۃ، باب ما یقول الجل اذا سلم: 1391) یعنی ''اے میرے رب! مجھے اپنا ذکر کرنے والا اور اپنا شکر کرنے والا بنا ئیو''۔ کیونکہ شکر بھی در اصل ذکر الٰہی اور محبت کے اظہار کا ایک خوبصورت اسلوب ہے اور ذکر کی ایک بہترین شکل حمد و ثنا ہے۔

3۔ آپ ﷺ کی نماز مجسم شکرانہ ہوتی تھی جو الحمد للہ کہہ کر اللہ کی حمد سے شروع ہوتی۔ اس کا وسط بھی سَمِعَ اللّٰهُ لِمَنْ حَمِدَهٗ کہہ کر حمد کثیر پر مشتمل ہوتا تو اس کی انتہاء اَلتَّحِيَّاتُ لِلّٰهِ کی جامع حمد پر ہی ہوتی تھی۔ آپ ﷺ کے رکوع و سجود بھی اسی حمد الٰہی سے لبریز ہوتے تھے جن میں آپ ﷺ عرض کرتے: ''اے اللہ! تو پاک ہے اپنی تمام تعریفوں کے ساتھ''۔ (بخاری، کتاب الصلوۃ، باب ما یقول الامام و من خلفھہ اذا رفع رائسہ من الرکوع و باب ما یتخیر من الدعاء بعد التشھد۔)

4۔ رکوع سے اٹھ کر پھر یہ حمد باری یوں ٹھاٹھیں مارتی جیسے بے قرار سمندر۔ آپ عرض کرتے: ''اے اللہ! ہمارے رب! سب تعریفیں تجھی کو حاصل ہیں''۔ یہ حمد کر کے بھی آپ ﷺ کا جی سیر نہ ہوتا تو کہتے: ''تیری اتنی تعریفیں کہ جس سے سارے آسمان اور زمین بھر جائیں اور اس کے بعد جو چیز تو چاہے وہ بھی بھر جائے (مگر تیری حمد ختم نہ ہو)، اے تعریف اور بزرگی کے لائق ہستی! بندہ جتنی تیری تعریف کرے تو اس کا مستحق ہے اور ہم سب تیرے بندے ہی تو ہیں''۔

(مسلم، کتاب الصلوٰۃ باب ما یقول اذا رفع رائسہ من الرکوع)

5۔ فرض نمازوں کے علاوہ نوافل میں آپ ﷺ کے شکرانے کا یہ عالم تھا کہ پوری پوری رات خدا کے حضور عبادت میں گذار دیتے یہاں تک کہ پاؤں سوج جاتے۔ حضرت عائشہؓ نے عرض کیا کہ اتنی مشقت کیوں اٹھاتے ہیں تو کیا خوب جواب دیا: اَفَلَا اَكُوْنَ عَبْدًا شَكُوْرًا کہ کیا ''میں عبد شکور یعنی خدا کا انتہائی شکر گذار بندہ نہ بنوں''۔ (بخاری، کتاب التفسیر باب لیغفرلک اللہ ما تقدم من ذ نبک: 4460)

6۔ محبت الٰہی اور ذکر و شکر سے بھری اس نماز سے فارغ ہو کر آپ ﷺ یاد خدا کو بھولتے نہیں تھے بلکہ یہ دعا کرتے تھے: اَللّٰهُمَّ اَعِنِّيْ عَلٰى ذِكْرِكَ وَ شُكْرِكَ وَ حُسْنِ عِبَادَتِكَ (ابو داؤد کتاب الصلوٰۃ باب فی الاستغفار: 1301) یعنی اے اللہ! مجھے اپنے ذکر، اپنے شکر اور خوبصورت عبادت کی توفیق عطا فرما۔ اس دعا کی قبولیت عملی زندگی میں لحمہ بہ لحمہ آپ ﷺ کے ہم رکاب نظر آتی ہے۔ رات کا کچھ حصہ آرام کر کے اٹھتے تو پہلا کلمہ جو آپ ﷺ کی زبان پر جاری ہوتا وہ اللہ کی حمد اور شکر کا کلمہ ہوتا۔ آپ ﷺ مولیٰ کے حضور اقرار کرتے کہ تمام تعریف اس خدا کے لئے ہے جس نے نیند جیسی موت کے بعد ہمیں پھر سے زندگی دی اور بالآخر تو اسی کی طرف لوٹ کر جانا ہے۔ (بخاری، کتاب التفسیر، باب لیغفرلک اللہ ما تقدم من ذنبک: 4460)

7۔ روکھی سوکھی پر گذارا کرتے ہوئے بھی کھانے کے بعد رسول اللہ ﷺ کے شکر گذار دل سے بے اختیار حمد اور تشکر کے جذبات نکلتے تھے۔ فرماتے تھے کہ ''اللہ تعالیٰ اپنے اس بندے سے بہت راضی اور خوش ہوتا ہے۔ جو ایک لقمہ بھی کھاتا ہے تو اللہ کی حمد اور تعریف کرتا ہے، پانی پیتا ہے تو اس بھی اللہ کی حمد کرتا ہے''۔ چنانچہ کھانے کے بعد آپ ﷺ دعا کرتے: ''اس خدا کی تمام تعریف ہے جس نے ہمیں کھانا کھلایا اور پانی پلایا اور ہمیں اپنا فرمانبردار بندہ بنایا'' (ترمذی، کتاب الدعوات، باب ما یقول اذا فرغ من الطعام: 3379)، یعنی شکر کی یہ توفیق دی گویا شکر ملنے پر بھی ایک شکرانہ ادا کرتے تھے، الغرض ذکر الٰہی آپ ﷺ کے وجود کا جزو لا ینفک تھا۔ قضائے حاجت سے فارغ ہو جانے پر بھی اللہ کا شکر ہی بجا لاتے اور عرض کرتے: ''تمام تعریفیں اللہ کے لئے ہیں جس نے مضر چیز مجھ سے دور کر دی، مجھے تندرستی عطا کی اور غذا کے نفع بخش مادے میرے جسم میں باقی رکھ لئے'' (ابن ماجہ، کتاب الطھارۃ، باب ما یقول اذا خرج من الخلاء: 297) رات کو بستر پر جاتے ہوئے دن بھی میں ہونے والی اللہ کی نعمتوں کا شکر یوں ادا کرتے کہ ''تمام تعریفیں اس اللہ کے لئے ہیں جس نے مجھ پر اپنا احسان اور فضل کیا اور مجھے عطا کیا اور بہت یا اور ہر حال میں اللہ ہی کی حمد و ثنا ہے (ابو داؤد، کتاب الادب، باب ما یقال عدالنوم) کوئی نیا کپڑا زیب تن فرماتے تو ''اللہ کی حمد بجالاتے''۔ (ترمذی، کتاب اللباس: 1689)

8۔ جب کبھی عرصہ کے بعد موسم گرما کی بارش ہوتی تو نبی کریم ﷺ کا سر شکر سے خدا کے حضور جھک جاتا، آپ ﷺ اپنے سر سے کپڑا وغیرہ ہٹا دیتے اور ننگے سر پر بارش لیتے اور فرماتے: ''یہ میرے رب سے تازہ تازہ رحمت آئی ہے'' (مسند احمد، جلد 3، ص 267، مطبوعہ بیروت)

جب کوئی دعا بارگاہ الٰہی میں قبولیت کا درجہ پاتی یا کوئی نیک کام انجام کو پہنچتا تو کسی فخر کی بجائے اللہ کی حمد بجالاتے اور کہتے: ''تمام تعریف اس خدا کی ہے جس کے جلال وعظمت سے ہی نیک کام انجام کو پہنچتے ہیں''۔

(مستدرک حاکم جلد1، ص 730مطبوعہ بیروت)

اپنے یہودی غلام کی عیادت کو گئے، اس کا آخری وقت دیکھ کر اسے کلمہ پڑھنے کا کہا اور جب اس نے پڑھ لیا تو بے اختیار آپ ﷺ کی زبان پر یوں حمد باری جاری ہوئی کہ ''اس خدا کی تعریف ہے جس نے ایک روح کو آگ سے بچا لیا''۔

(بخاری کتاب الجنائز، باب اذا اسلم الصبی فمات هل یصلی علیه)

آنحضرت ﷺ سجدات شکر: آپ ﷺ کا اس بارہ میں بہت اعلیٰ نمونہ تھا۔ اس بارہ میں چند مثالیں پیش خدمت ہیں۔

1۔ کوئی خوشی کی خبر آتی تو فوراً حضور سجدہ میں گر جاتے اور سجدہ تشکر بجا لاتے۔ (تاریخ الخطیب للبغدادی، جلد 4 ص 157) حضرت سعد بن ابی وقاصؓ بیان کرتے ہیں کہ ہم آنحضرت ﷺ کے ساتھ مکے سے مدینہ واپس لوٹ رہے تھے۔ جب ہم عزوراء کے مقام پر تھے، حضور ﷺ وہاں اترے۔ آپ ﷺ نے ہاتھ اٹھائے اور کچھ وقت دعا کی۔ پھر حضور ﷺ سجدے میں گر گئے۔ لمبی دیر سجدے میں رہے۔ پھر کھڑے ہوئے اور ہاتھ اٹھا کر دعا کی۔ پھر سجدے میں گر گئے۔ آپ ﷺ نے تین دفعہ ایسے کیا۔ پھر آپ ﷺ نے فرمایا کہ ''میں نے اپنے رب سے یہ دعا مانگی تھی اور اپنی امت کے لئے شفاعت کی تھی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے امت کی ایک تہائی کی شفاعت کی اجازت دی۔ میں اپنے رب کا شکرانہ بجالانے کے لئے سجدے میں گر گیا اور سر اٹھا کر پھر اپنے رب سے امت کے لئے دعا کی تو اللہ تعالیٰ نے مجھے مزید ایک تہائی اپنی امت کی شفاعت کے لئے اجازت طلب فرمائی، میں پھر شکرانے کا سجدہ بجالایا، پھر سر اٹھایا اور امت کے لئے اپنے رب سے دعا کی۔ تب اللہ تعالیٰ نے میری امت کی تیسری تہائی کی بھی شفاعت کے لئے مجھے اجازت عطا فرما دی اور میں اپنے رب کے حضور سجدہ شکر بجالانے کے لئے گر گیا''۔

(ابو داؤد، کتاب الجهاد، باب فی سجود الشکر: 2394)

2 ۔ حضرت عبدالرحمٰن بن عوفؓ بیان کرتے ہیں کہ رسول کریم ﷺ مسجد میں تشریف لائے اور قبلہ رو ہو کر سجدے میں گر گئے اور بہت لمبا سجدہ کیا۔ یہاں تک کہ ہمیں گمان ہوا کہ اللہ تعالیٰ نے شاید آپ ﷺ کی روح قبض کر لی ہے۔ میں آپ ﷺ کے قریب ہوا تو آپ ﷺ اٹھ بیٹھے اور پوچھا کون ہے؟ میں نے عرض کیا: عبدالرحمٰن۔ فرمایا: ''کیا بات ہے''۔ میں نے عرض کیا: اے اللہ کے رسول! آپؐ نے اتنا لمبا سجدہ کیا کہ مجھے اندیشہ ہوا کہ کہیں اللہ تعالیٰ نے آپؐ کی روح تو قبض نہیں کر لی۔ آپؐ نے فرمایا: ''میرے پاس جبرائیل آئے تھے، انہوں نے مجھے یہ خوشخبری سنائی کہ اللہ تعالیٰ آپؐ کے حق میں فرماتا ہے کہ جو آپؐ پر درود بھیجے گا، میں اس پر اپنی رحمتیں نازل کروں گا اور جو آپؐ پر سلام بھیجے گا میں اس پر سلامتی بھیجوں گا، یہ سن کر میں اللہ کے حضور سجدہ شکر بجالایا ہوں''۔ (مسند احمد، جلد 1 مطبوعہ بیروت) 3۔ اپنی زندگی کی سب سے بڑی کامیابی مکہ کی فتح کے موقع پر آپؐ اپنی اونٹنی پر بیٹھے تھے اور سر جھک کر پالان کو چھو رہا تھا۔ آپ سجدہ شکر بجالاتے ہوئے یہ دعا پڑھ رہے تھے کہ ''اے اللہ تو پاک ہے! اپنی حمد اور تعریف کے ساتھ''۔ (سیرۃ النبوۃ لابن ہشام، جلد 4 ص 91 مطبوعہ بیروت)

آنحضرت کے شکر کے نئے گوشے: آپؐ نے اللہ تعالیٰ کے شکر کے بھی نئے سے نئے انداز اپنائے۔ چند مثالیں پیش ہیں: 1۔ نبی کریمؐ کے شکر ادا کرنے کا ایک لطیف پہلو یہ ہے کہ آپ شکر کے نئے گوشے تلاش کرتے تھے۔ محض نعمتوں اور احسانوں اور کامیابیوں پر ہی آپؐ اللہ تعالیٰ کا شکر نہیں کرتے تھے بلکہ گردش زمانہ اور مصائب سے محفوظ رہنے پر بھی اللہ تعالیٰ کی حمد بجالاتے تھے۔ ہر مصیبت زدہ آپؐ کو اس شکر کی یاد دلاتا تھا۔ چنانچہ کسی معذور یا مصیبت زدہ کو دیکھ کر جہاں انسانیت کے ناطہ سے آپؐ کے دل میں اس کے لئے درد پیدا ہوتا تھا وہاں آپؐ اللہ کا شکر بھی کرتے تھے کہ ''اس خدا کی تعریف ہے جس نے ہمیں اس مصیبت سے بچا کر صحت و تندرستی عطا کی اور اپنی بیشتر مخلوق پر فضیلت عطا فرمائی''۔ (ترمذی، کتاب الدعوات) 2۔ آنحضرتؐ ایک مناجات میں اپنے مولیٰ کے حضور اس طرح عرض کرتے ہیں: ''تیرا نور کامل ہے، تو نے ہی ہدایت فرمائی، سب تعرف تیرے لئے ہے، تیرا حلم عظیم ہے، تو نے ہی بخشش عطا کی، پس کامل حمد تجھے ہی حاصل ہے، تیرے ہاتھ فراخ ہیں، تو نے ہی عطا کی، پس کامل حمد تجھے ہی حاصل ہے، اے ہمارے رب تیرا چہرہ سب چہروں سے زیادہ قابل عزت ہے اور تیری وجاہت تمام وجاہتوں سے بڑھ کر ہے، تیری عطا تمام عطاؤں سے افضل اور شیریں ہے۔ اے ہمارے ربّ! جب تیری اطاعت کی جاتی ہے تو تُو قدردانی کرتا ہے اور تیری نافرنی ہو تو بھی تیری بخشش میں فرق نہیں آتا۔ تو ہی ہے جو مجبور اور لاچار کی دعا سنتا اور تکلیف دور کرتا ہے، بیمار کو صحت عطا فرماتا، گناہ بخشتا اور توبہ قبول کرتا ہے، کوئی نہیں جو تیری نعمتوں کا بدلہ اتار سکے اور تیری تعریف تک کسی مدحت گر کی زبان رسائی نہیں پا سکتی'' (تحفۃ الذاکرین از علامہ شوکانی، ص 290، مطبوعہ بیروت)

مضمون کا بقایا حصہ اگلے شمارہ میں ملاحضہ فرمائیں۔

آوارگانِ دشتِ خار (قسط 20)

جہاں عصرِ حاضر کے مسلمانوں کی حالتِ زار دیکھ کر ہر اُس مسلمان کا دِل خُون کے آنسو رو رہا ہے جس کے بدن میں اللہ اور اُس کے رسول کی محبت خُون کی طرح دوڑ رہی ہے وہاں علماءِ سُوء جو اُمّت مسلمہ کو اِس نہایت دردناک صورت حال سے دوچار کرنے والے ہیں نہایت ڈھٹائی اور بے شرمی کے ساتھ اصلاحِ اُمّت کے نام پر فرقہ بازی اور تکفیر بازی کا بازار گرم کیے ہوئے ہیں، اللہ اور رسول ﷺ کے نام پر خُون کی ہولی کھیل رہے ہیں۔ اِن اسلام کے جھوٹے ٹھیکیداروں کی بے لگام تحریروں اور تقریروں نے جہاں کلمہ طیّبہ پڑھنے والوں کو کُفر کی بھٹی میں جھونک دیا ہے وہیں ایک دوسرے کے خُون کے پیاسے بھی بنا دیا ہے۔ کل تک یہ فرقہ بازی کے مقابلے مولانا لوگ اپنی اپنی مسجدوں میں کیا کرتے تھے یا موٹی موٹی کتابیں تحریر کی جاتی تھیں جو کُفر کے فتووں، بُرے الفاظ اور اخلاقی گراوٹ کا شاہکار ہوتی تھیں۔ اب یہ کارِ گناہ اسلام کے نام پر بنائے جانے والے ٹی وی چینلز پر بھی ہو رہا ہے۔ آوارگانِ دشتِ خار میں ذکر ہوگا ان نام نہاد مولویوں کا جو اُمتِ مسلمہ کو گُھن کی طرح کھا رہے ہیں۔ جو جُبے اور دستار میں ملبوس عالموں کے بھیس میں عامتہ الناس کو گُمراہ کر رہے ہیں کبھی فرقوں کے نام پر، کبھی عقیدوں کے نام پر اور کبھی سیاست کے نام پر۔ اور آوارگانِ دشتِ خار میں ذکر ہوگا اُن مذہبی جنونیوں کا جو اپنی پسند کا اسلام نافذ کرنا چاہتے ہیں تاکہ انسانوں کی گردنیں مذہب کے نام پر کاٹی جاسکیں۔ آوارگانِ دشتِ خار لکھنے کا مقصد اُن عوامل اور مذہبی جنونیوں کے چہرے سے نقاب اُٹھانا ہے جنکی تفسیروں اور تقریروں نے اُمّتِ مسلمہ کو ٹکڑے ٹکڑے کر دیا ہے اور جن کی تفرقہ بازیوں نے کلمہ گو مسلمانوں کی اخوت کو پارہ پارہ کر دیا ہے۔ آوارگانِ دشتِ خار میں ذکر ہوگا اُن نام نہاد علماء کا، پیروں کا اور اُن نام کے مسلمانوں کا جو بد دیانتی اور ناانصافی کرتے ہیں اور دم بھرتے ہیں اسلام کا۔ آوارگانِ دشتِ خار لکھنے کا مقصد قطعاً کسی کا دل دکھانا مقصود نہیں ہے، صرف اور صرف اصلاح احوال کے لیے کوشش کرنا ہے۔

گونواز گو کا نعرہ!!

(نمائندہ اوصاف) مرکز ختم نبوت جامعہ عثمانیہ ختم نبوت چناب نگر کے بانی انٹرنیشنل ختم نبوت موومنٹ کے مرکزی نائب امیر مولانا قاری شبیر احمد عثمانی نے مرکزی جامعہ مسجد نور اسلام چناب نگر میں عید الاضحیٰ کے اجتماع سے خطاب کرتے ہوئے کہا کہ ''گونواز گو'' کا نعرہ قادیانیوں کا ایجاد کردہ ہے۔ چور دروازے سے اقتدار میں آنے والے قادیانیوں اور ان کے ایجنٹوں کا راستہ روکنا ہر محبّ وطن پاکستانی کا فرض بنتا ہے۔ وطن عزیز میں عدم استحکام پیدا کر کے انتشار و فساد میں مبتلا کرنے والے ناکام ہوں گے۔ قادیانیوں کی اقتدار میں شرکت روکنے کے لیے ختم نبوت کے رضا کار کسی قسم کی قربانی دینے سے گریز نہیں کریں گے۔ ختم نبوت کے منکرین سن لیں وہ اپنی آئینی حیثیت تسلیم کر کے ایک پر امن شہری ہونے کا ثبوت دیں، وگرنہ ان کو قادیان بھجوانے کی زبردست تحریک سے بھی گریز نہیں کریں گے۔ (روزنامہ اوصاف لاہور۔ جمعرات ۱۹ اکتوبر ۲۰۱۴ء)

خُدا کے نام پر دست و گریباں ہیں خُدا والے
بہت ہے جس قدر ذکر خُدا خوفِ خُدا کم ہے

پنڈت میلا رام وفاؔ

جشن استقبال

مولانا یوسف لدھیانوی صاحب مرحوم اپنی کتاب ''معاشرتی بگاڑ کا سدّ باب'' میں لکھتے ہیں:۔

''یوں تو ہجرت نبوی ﷺ کو چودہ صدیاں ہو چکی ہیں لیکن جشن استقبال کا جوش وخروش پندرہویں صدی کے استقبال کے سلسلے میں دیکھنے میں آیا، وہ گزشتہ صدیوں کے مسلمانوں کے یہاں نہیں ملتا۔ اس کی وجہ شاید یہ ہو کہ بعض شاعروں نے اپنے غلط دعووں کی ترویج و اشاعت کے لیے یہ پروپیگنڈہ کیا تھا کہ چودھویں صدی آخری زمانہ ہے۔ نزول عیسیٰؑ اور دوسری علامات قیامت اسی صدی میں پوری ہوں گی۔ بہت سے ضعیف الاعتقاد لوگ اس پروپیگنڈے سے متاثر بھی ہوئے ان تمام ہوائی دعووں کا غلط ہونا ثابت ہوا اس لیے قدرتی طور پر پندرہویں صدی کا آغاز پر جوش وخروش کا اظہار بھی زیادہ کیا گیا۔'' (معاشرتی بگاڑ کا سدّ باب از مولانا یوسف لدھیانوی صفحہ ۱۴۷، ۱۴۸)

معزز قارئین! گویا حضرت عیسیٰؑ اور امام مہدی کا ان کے خیال میں نہ آنا خوشی کا باعث بلکہ جشن منانے کا سبب بن گیا۔

کوئی مَر جائے یا ہو جان بلب
اپنے مطلب سے ہے انہیں مطلب

مولوی اور ملانیاں

محترمہ آمنہ اختر صاحبہ اپنے ایک کالم ''مولویوں اور ملانیوں کے کرنے کے ۱۰۱ کام'' میں لکھتی ہیں:۔

''صفائی نصف ایمان ہے مگر مسجد اور مدرسے اپنے اردگرد کے تعفن زدہ ماحول کو صاف کرنے کی بجائے سوائے وضو یا غسل کے کوئی واضح لائحہ عمل ابھی تک سامنے نہیں لا سکے جس سے یہ غلاظت پاک ہو۔ مسئلہ یہاں ختم نہیں ہو جاتا بلکہ جس مرنے کے بعد کے عذاب کو یہ مولوی اور مولانیاں بہت لمبا اور تکلیف زدہ بتاتے ہیں اس کو آسان کرنے کے لیے دنیا میں کوئی سہولت بھی فراہم نہیں کرتے۔ جس سے ایک مسلمان وہ کام کر سکے جس سے اس کو جنت بھی نصیب ہو سکے۔

ذرا پاکستان کے گلی محلے گندے پانی کی ناقص منصوبہ بندی کا شکار ہیں اور جگہ جگہ گندے فضلے سے بھرا پانی میتوں کو قبرستان تک پاک حالت میں پہنچانے کے آگے بہت بڑی رکاوٹ ہے۔ ہر مسجد کے اردگرد کے ماحول کو صاف رکھنا، درخت لگانا اور ان کی دیکھ بھال کرنا اس کے مولوی ڈیوٹی کے اوقات میں شامل ہونا چاہیے۔ (بشکریہ۔ روزنامہ نیا زمانہ۔ ۲۸ مارچ ۲۰۱۸ء)

نقلی صوفیوں اور جھوٹے پیروں کا پول!!

اخبار زمیندار کے سرپرست وایڈیٹر مولوی ظفر علی خاں لکھتے ہیں:۔

''سر مائیکل ایڈوائر لیفٹیننٹ گورنر پنجاب ستم پیشہ ملوکیت نے ''زمیندار'' کو سیندور کھلا رکھا تھا، اور مجھے نیم نظر بندی کی حالت میں اپنا ادبی شوق پورا کرنے کے لیے روزنامہ ستارہ ء صبح کی ادارت کے فرائض انجام دینے کی اجازت دے رکھی تھی۔۔۔ نقلی صوفیوں اور جھوٹے پیروں کا پول ستارہ صبح میں اس طرح کھولا گیا کہ دنیائے طریقت کے برخود غلط رہنما چیخ اُٹھے۔ چنانچہ میرے خلاف بزرگوں نے ایک وسیع پیمانے پر سازش کی جس کا مقصد یہ تھا کہ کسی طرح مَیں ان کے رستہ سے ہٹ جاؤں۔ پہلے تو لاہور میں ایک دھوم دھامی جلسہ کیا، جس میں مجھ پر کفر کا فتویٰ لگایا گیا۔ جواب تک واپس نہیں لیا گیا ہے، اس پر بے اختیار میرے منہ سے نکلا

کوئی تُرکی لے گیا اور کوئی ایران لے گیا
کوئی دامن لے گیا کوئی گریبان لے گیا
رہ گیا تھا نام باقی اک فقط اسلام کا
وہ بھی چھین کر حامد رضا خان لے گیا

اس کے بعد ایک میموریل تیار کیا گیا تھا، جس پر طول وعرض ہند کے پیروں اور صوفیوں اور سجادہ نشینوں کے دستخط ثبت تھے۔ یہ اسی میموریل کا نتیجہ تھا کہ مجھے پنجاب چھوڑنا پڑا اور کچھ عرصہ کے لیے حیدر آباد جا کر اعلیٰ حضرت میر عثمان علی خاں کے دامن دولت میں پناہ لینی پڑی''۔

ڈرا رہے ہیں وہ اپنے میموریل سے مجھے
ستارہ صبح کا ہوں ، ڈر ہو کیا زحل سے مجھے
ملی ہیں دین محمدی کی سرمدی دولت
یہ زندگی ہو تو کیا خوف ہے اجل سے مجھے
جگر کے راز سے آنکھ آشنا ہوئی بھی نہیں
نکالنا ابھی طوفاں ہے اک ، بغل سے مجھے

(ازالۃ الخفاء خود نوشت سوانح عمری۔ زمیندار اپریل ۱۹۲۸۔ بحوالہ مولانا ظفر علی خاں۔ احوال و آثار از ڈاکٹر نظیر حسنین زیدی۔ صفحہ ۱۱۲۔ ناشر احمد ندیم قاسمی۔ شائع کردہ۔ مجلس ترقی ادب کلب روڈ لاہور)

معزز قارئین! مولوی احمد رضا خان کے صاحب زادے مفتی اعظم ہند حامد رضا خان بریلوی نے مولانا ظفر علی خان پر کُفر کا فتویٰ لگایا جسے بعد میں بریلویوں کے سابق مفتی اعظم پاکستان اور شیخ الحدیث دارالعلوم حزب الاحناف لاہور سیّد ابوالبرکات صاحب نے پچیس سے زائد دیگر بریلوی علماء سے دستخط کرانے کے بعد کتابی صورت میں شائع کیا۔ اس کا نام ''سیف الجبار علی کفر زمیندار'' مسمّٰی بہ نام تاریخی ''القسورۃ علی ادوار الحمر الکفرۃ'' ملقب بہ لقب تاریخی ''ظفر علی رمتہ من کفر''۔ اس فتوے پر دستخط کرنے والوں میں مصنف ''بہار شریعت'' مولوی محمد امجد علی اور مولانا شاہ احمد نورانی کے تایا مولوی مختار احمد صدیقی میرٹھی بھی شامل ہیں۔

مسجد شہید گنج اور ایک خوفناک سازش

احراری لیڈر مولوی مظہر علی صاحب اظہر اپنی کتاب ''ایک خوفناک سازش'' میں لکھتے ہیں کہ مولوی (ظفر علی خاں۔ ایڈیٹر۔ اخبار زمیندار) نے تقریر جاری رکھتے ہوئے کہا:۔

''احمدیوں کی مخالفت کی آڑ میں احرار نے خوب ہاتھ رنگے۔ احمدیوں کی مخالفت کا احرار نے محض جلب زر کے لیے ڈھونگ رچا رکھا ہے۔ قادیانیت کی آڑ میں غریب مسلمانوں کی گاڑھے پسینہ کی کمائی ہڑپ کر رہے ہیں۔ کوئی ان احرار سے پوچھے۔ بھلے مانسو! تم نے مسلمانوں کا کیا سنوارا۔ کون سی اسلامی خدمت تم نے سرانجام دی ہے۔ کیا بھولے سے بھی تم نے تبلیغ اسلام کی۔ احراریو! کان کھول کر سن لو تم اور تمہارے لگے بندھے مرزا محمود کا مقابلہ قیامت تک نہیں کر سکتے مرزا محمود کے پاس قرآن کا علم ہے، تمہارے پاس کیا خاک دھرا ہے؟ تم میں ہے کوئی جو قرآن کے سادہ حرف بھی پڑھ سکے۔؟ تم نے کبھی خواب میں بھی قرآن نہیں پڑھا۔ تم خود کچھ نہیں جانتے تم لوگوں کو کیا بتاؤ گے۔ مرزا محمود کی مخالفت تمہارے فرشتے بھی نہیں کر سکتے۔ تمہارے فرشتے بھی نہیں کر سکتے۔ مرزا محمود کے پاس ایسی جماعت ہے جو تن من دھن اس کے ایک اشارہ پر اس کے پاؤں میں نچھاور کرنے کو تیار ہے۔ تمہارے پاس کیا ہے گالیاں اور بدزبانی۔ لعنت ہے تمہاری غداری پر۔ لاہور میں مسجد شہید (مسجد شہید گنج) ہوئی تم ٹس سے مس نہ ہوئے۔۔۔ سوائے چند تنخواہ دار اور بھاڑے کے ٹٹوؤں کے تم کسی کو جیل نہیں بھجوا سکے۔ مرزا محمود کے پاس مبلغ ہیں مختلف علوم کے ماہر ہیں دُنیا کے ہر ملک میں اس نے جھنڈا گاڑ رکھا ہے۔ میں حق بات کہنے سے باز نہیں رہ سکتا۔ یہ میں ضرور کہوں گا کہ اگر تم نے مرزا محمود کی مخالفت کرنی ہے تو پہلے قرآن سیکھو۔ مبلغ تیار کرو عربی مدرسہ جاری کرو۔ قادیان میں دو چار مفسدہ پرداز بھیجنے سے کام نہیں چلتا یہ تو چندہ بٹورنے کے ڈھنگ ہیں۔ اگر مخالفت کرنی ہے تو پہلے مبلغ تیار کرو۔ غیر ممالک میں ان کے مقابلہ میں تبلیغ اسلام کرو۔۔۔ یہ کیا شرافت ہے کہ مرزائیوں کو گالیاں دلوا دیں۔ کیا یہ تبلیغ اسلام ہے؟ یہ تو اسلام کی مٹی خراب کرنا ہے۔''

(''تحریک مسجد شہید گنج ایک خوفناک سازش'' از مولوی مظہر علی صاحب اظہر۔ صفحہ ۱۹۵۔۱۹۷ بحوالہ تاریخ احمدیت۔ جلد ۶۔ صفحہ ۵۱۳)

کعبہ کی بیٹی کی بے حرمتی

معزز قارئین! مسجد شہید گنج پر قابض سکھوں نے بوسیدہ حالت مسجد کو شہید کرنے کے واقع سے بہت پہلے مسلمانوں کو فروخت کرنے کی پیشکش کی تھی۔ سو سال سے سکھوں کے زیر قبضہ مسجد شہید گنج جسے سکھ اصطبل کے طور پر استعمال کرتے رہے تھے، جب عدالت نے سکھ گوردوارہ پربندھک کمیٹی کو اس کا قبضہ دے دیا، تب مسلمانوں نے احتجاج کیا۔ احتجاج پر انگلش حکومت نے کہا مسجد شہید گنج کے بدلے ایک دوسری مسجد جو حکومت کے قبضہ میں ہے وہ لے لیں۔ مولویوں نے کہا اسے اپنے قبضہ میں رکھو، ہمیں تو مسجد شہید گنج ہی چاہیے جسے سکھوں نے مسمار کر دیا ہے۔ مولوی ظفر علی خان کو گرفتار کر لیا گیا، احراریوں کے ساتھ نہ دینے کے باعث تحریک ٹھنڈی پڑنے لگی تو مولوی ظفر علی خان کے گرفتار ہو جانے کے باعث ان کے بیٹے مولانا اختر علی خان نے ایک جلسے سے خطاب کرتے ہوئے جب مولوی ظفر علی خان سے منسوب درج ذیل بیان پڑھا

تو مجمع میں آگ سی لگ گئی۔

''کعبہ کی بیٹی کی بے حرمتی سکھوں کے کدالوں سے ہوئی ہے۔اب اس کی ناموس مسلمانوں کو پکار پکار کر بلا رہی ہے۔''

اور پھر اسی آگ نے درجنوں مسلمانوں کو نگل لیا تھا۔مسجد کبھی بھی نہ مل سکی۔۱۹۳۵ء کے مسئلہ شہید گنج نے احراریوں کو رسوا کر دیا تھا۔احراریوں نے کہنا شروع کر دیا کہ مسئلہ شہید گنج ان کے خلاف سازش تھا۔سید نور احمد صاحب اس سازش کے متعلق لکھتے ہیں:۔

''احراریوں کی سازش کی بات اس روایتی لطیفے کی مانند معلوم ہوتا ہے جو ایک دیہاتی نے میلے میں اپنی چادر گم کرنے کے بعد پیدا کیا تھا۔اس نے گھر والوں سے کہا تھا کہ اس میلے کا سارا ڈھونگ میری چادر ہتھیانے کے لیے رچایا گیا تھا۔''

اس طرح سے ۱۹۳۰ء میں بننے والی احراری جماعت ۱۹۳۵ء میں وقار کھو بیٹھی۔۱۹۳۹ء کے انتخابات میں ایک بھی سیٹ نہ جیت سکی۔

(مارشل لاء سے مارشل لاء تک۔از سید نور احمد۔طابع گنج شکر پرنٹرز لاہور۔ناشر مکتبہ عالیہ لاہور۔اشاعت اول ۱۹۹۳ء۔باب مسجد شہید گنج۔صفحہ ۱۳۶۔۱۳۷)

درباری ابوجہل

مولانا اشرف علی تھانوی صاحب نے لکھا ہے:۔

''اکبر کے درباری کچھ ایسے بے دین واقع ہوئے تھے کہ ہمیشہ اس غریب کو نئے نئے طریقے سے کافر بنانے کی کوشش کرتے تھے۔چنانچہ ایک مرتبہ سب نے مل کر اُس کو نبی بنایا اور ایک شخص ابوبکر بنا اور ایک عمر بنا۔ملّا دو پیازہ بھی اس مجلس میں موجود تھے جب ان کی باری آئی اور ان سے پوچھا گیا کہ مُلّا جی آپ کیا بننا چاہتے ہیں؟ تو بولے میں اس جماعت کا ابوجہل ہوں۔میں تم سب کی تکذیب کرتا ہوں کہ تمہارا نبی بھی جھوٹا اور اس کے ساتھی بھی جھوٹے کیونکہ نبی کے واسطے اس کی بھی ضرورت ہے کہ کوئی اس کا مکذب بھی تو ہو۔''

(خطبات اشرف علی تھانوی،محاسنِ اسلام از منشی عبدالرحمان خان صفحہ ۳۹۱ پبلشر فرید بکڈپو دہلی)

عالمی خلافت

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب کہتے ہیں:۔

''مصطفیٰ کمال پاشا نے اس وقت صیہونیت کے ایجنٹ کا کردار ادا کیا ۱۹۲۴ء سے لے کر اب ۱۹۹۴ء تک ستّر برس بیت گئے ہیں لیکن پوری دُنیا میں خلافت کے ادارے کا برائے نام بھی وجود نہیں۔اُمّت مسلمہ کی تاریخ میں اس سے پہلے کبھی ایسا نہیں ہوا۔'' ''اب جب بھی خلافت قائم ہوگی تو یہ دُنیا کے کسی ایک خطے پر محدود نہیں ہوگی بلکہ عالمی خلافت ہوگی۔''

(خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام از ڈاکٹر اسرار احمد صفحہ ۳۸،۳۹)

ڈاکٹر اسرار احمد صاحب اپنے ایک مضمون میں کہتے ہیں:۔

''وہ جماعت جو نبوت کی بنیاد پر قائم ہو،اس سے زیادہ مظبوط جماعت کا آپ تصور بھی نہیں کر سکتے۔بلکہ میں کہتا ہوں سچی نبوت تو درکنار جھوٹی نبوت بھی تنظیم کی بڑی بنیاد ہے۔اندازہ کیجیے،مرزا غلام احمد صاحب (بانی جماعت احمدیہ) کی جھوٹی نبوت کی بنیاد پر جو جماعت احمدیہ چل رہی ہے وہ کہاں سے کہاں پہنچ گئی،اوران کا لاہوری فرقہ،جس نے غلام احمد کو نبی نہیں مانا،وہ منتشر ہو کر ختم ہو گیا۔تو مظبوط ترین جماعت جو دُنیا میں بن سکتی ہے،وہ نبوت کے دعویٰ کی بنیاد پر بن سکتی ہے۔''

(ہفت روزہ ندائے خلافت لاہور ۳۱ مئی تا ۶ جون ۲۰۱۱ء۔مضمون جماعت سازی کی مسنون بنیاد از ڈاکٹر اسرار احمد۔صفحہ ۷)

ایک اور کتاب میں ڈاکٹر اسرار احمد لکھتے ہیں:۔

''سچی نبوت کی عظمت وقوت کیا ہوگی،اس کا تو شاید ہم تصور بھی نہیں کر سکتے۔جھوٹی نبوت میں اتنی طاقت ہے کہ قادیانی جماعت کا نظم آج تک قائم ہے۔اس لیے کہ جس نے بھی کسی کو نبی مان لیا اس کو تو اس کی اطاعت کرنی ہی ہے وہ اس سے یہ نہیں کہہ سکتا کہ میں تب مانوں گا جب آپ مجھے اپنا حکم سمجھا دو گے۔''

(خلافت کی حقیقت اور عصر حاضر میں اس کا نظام از ڈاکٹر اسرار احمد صفحہ ۲۱ شائع کردہ مکتبہ خدام القرآن ماڈل ٹاؤن لاہور۔طبع اول ۱۹۹۶ء)

بقایا: ''نیوٹن اور آئن سٹائین۔ایک موازنہ''

تحریر و تحقیق: زکریا ورک۔ٹورنٹو کینیڈا

البرٹ آئن سٹائین کی شخصیت

البرٹ آئن سٹائین جب کالج میں تعلیم حاصل کر رہا تھا تو اس نے زندگی بہت ہی تنگدستی سے گزاری۔اس کا پسندیدہ ترین کھانا اسپاگیٹی اور مکارونی چیز تھا۔ کافی اور چائے اس کے مرغوب مشروب تھے مگر شراب اور بیئر سے اس کو نفرت تھی۔ سگریٹ نوشی کی وجہ سے اس کے دانتوں کی سفیدی ختم ہو چکی تھی۔ایک دفعہ جب اس کو دل کا عارضہ لاحق ہو گیا تو اس نے کچھ دیر کے لئے سگار کی بجائے پائپ پینا شروع کر دیا۔طبیعت میں سادگی بہت زیادہ تھی نہانے والے صابن سے شیو کر لیتا تھا۔میوزک کا دلدادہ تھا۔وائلن اور پیانو وہ گھنٹوں بجا سکتا تھا۔ شکار کا اس کو ہرگز شوق نہ تھا۔کبھی شطرنج نہ کھیلی۔جب وہ ایک حسابی مساوات کو وضع کر لیتا تو اس کو پرکھنے کے لئے اس پر بار بار تنقید کرتا تھا۔اگر کوئی رفیق یا معاون غلطی کی نشاندہی کرتا تو وہ اس کا تہ دل سے ممنون احسان ہوتا تھا۔نیوٹن کی طرح اس کا ہینڈ رائٹنگ خوشنما تھا۔ریسرچ کے دوران وہ اپنے نوٹس استعمال شدہ کاغذ پر تحریر کرتا تھا۔ یہ بات نیوٹن اور آئن سٹائین دونوں میں مشترک تھی۔

آئن سٹائین کو طنز و مزاح پسند تھا، دل کا حلیم تھا اس کو بذلہ سنجی پسند تھی مگر خود میاں مٹھو بننا پسند نہ کرتا تھا۔تمام عمر صرف ایک چیز اس کی حیات کا محور رہی یعنی فزکس۔ لطائف سننا اور سنانا پسند کرتا بعض دفعہ ایسا ہوا کہ ایک لطیفہ سنانا شروع کیا تو ابھی آدھا ہی سنایا ہوتا تو خود ہی بے اختیار ہنسنا شروع کر دیتا، اس پر حاضرین محفل بھی اس کے ساتھ شامل ہو جاتے اور محفل زعفران زار بن جاتی تھی۔یونیورسٹی سے گریجوایشن کے بعد اس کو کافی عرصہ تک ملازمت نہ ملی اور بے روزگار رہا۔اس کے باپ نے کئی سفارشی خطوط لوگوں کو لکھے۔ذریعہ معاش میں اس ناکامی کی طرف اشارہ کرتے ہوئے اس نے اپنے جگری دوست مارسل گروس مین کو لکھا:

God created the donkey and gave him a thick skin.

1930 میں وہ امریکہ بحری جہاز میں جرمنی سے ہجرت کر کے جا رہا تھا تو ایک مصور نے اس کا سکیچ بنایا۔مصور نے آٹوگراف مانگا تو اس نے لکھا:

This fat little pig (schwein) is Prof Einstein.

وفات سے چند ہفتے قبل اس نے بلجیم کی کوئین ایلز بیتھ کو خط لکھا تو اس میں اٹھارویں صدی کے ماہر طبیعات لختن برگ کی لکھی ہوئی کہانی جو سوال و جواب کی صورت میں ہے لکھ دی اور کہا اس کو غور سے پڑھیں اور محظوظ ہوں:

سوال: کون سا سیارہ سود مند ہے چاند کہ سورج ؟

جواب: بلا شبہ چاند زیادہ فائدہ مند ہے کیونکہ یہ اس وقت چمکتا ہے جب رات ہوتی ہے جبکہ سورج اس وقت چمکتا ہے جب دن ہوتا ہے۔

آئن سٹائین کو اسرائیل کا صدر بنانے کی پیش کش ہوئی مگر اس نے رد کر دی۔وہ فطری طور پر انسانیت نواز اور امن پسند انسان تھا۔پندرہ سال کی عمر میں اس نے عہد کیا کہ فزکس کا مطالعہ کرے گا اس عہد کو اس نے 60 سال تک نبھایا۔پانچ سال کی عمر میں اس کے باپ نے اس کو قطب نما تحفہ میں دیا وہ بہت حیران ہوا کہ یہ کس طرح کام کرتا ہے اس کے پیچھے کون سا قانون کارفرما ہے۔پانچ سال کی عمر میں خود حیران ہوا، اس کے بعد وہ ساری زندگی اپنی لامحدود عقل و دانش، انقلابی تھیوریز سے دنیا کو ششدر کرتا رہا۔

آئن سٹائن نے نیوٹن کی بہت ساری تھیوریز کو غلط ثابت کر دیا جو کہ سائنس میں غیر معمولی چیز نہیں۔نیوٹن کو اپنے ہاتھ سے کام کرنے، چیزیں بنانے (گھڑیاں) اور لیبارٹری میں تجربات کرنے کا بہت شوق تھا۔اس نے اپنے ہاتھ سے کئی چیزیں بنائیں۔نیوٹن نے 1664 میں ریفلیکٹنگ ٹیلی سکوپ بنائی۔آئن سٹائن اس کے برعکس میوزک کا دلدادہ تھا ۔ اس نے اپنے ایک رفیق لیوزی لارڈ Leozilard کے ساتھ مل کر ایک پمپ ایجاد کیا اور پھر اس کے پیٹنٹ کی درخواست بھی دائر کی۔ آئن سٹائن کی موت پر ڈاکٹر نے آٹوپسی کی اور اس کا دماغ اس کی فیملی کی اجازت کے بغیر نکال کر محفوظ کر لیا۔جو اس وقت پرنسٹن نیوجرسی (امریکہ) میں ہے۔اس کی عالمی شہرت کی وجہ حسابی مساوات

$E = mc2$ ہے۔

اسلام آباد میں قحبہ خانے۔قہر خداوندی کو دعوت

(تحریر: عتیق الرحمن۔اسلام آباد)

کسی بھی مہذب معاشرے کا وجود واستحکام کیلئے ضروری ہے کہ اس میں خیر و صلاح کی صلاحیت موجود رہے ۔جس کسی معاشرے میں شرم و حیاء اور عزت و آبرو کی اہمیت اوراس کی حفاظت مفقود ہوجائے تو سمجھ لیں کہ اس معاشرے کا زوال مقدرٹھہر چکا ہے۔پاکستان جو کہ اسلام کے نام پر معرض وجود میں آیا اور مسلم ممالک میں بنیادی اہمیت کا حامل ہے میں لبرل وسیکولر طبقوں کے لوگ شعائر اسلام کا دیدہ دلیری کے ساتھ مذاق اڑاتے ہیں اور ملک کی انتظامیہ ان کیخلاف حرکت میں نہیں آتی۔نوجوانوں کو بے راہ روی و بے حیائی کی جانب دھکیلنے والے اسباب و ذرائع میں سے اہم ترین ذریعہ انٹرنیٹ وموبائل کی بے ہنگم فراہمی اور والدین واساتذہ کی جانب سے اولاد و شاگردوں کی عدم تربیت اور اس کے ساتھ مغرب کے افکار و نظریات اوراس کی تہذیب کو آنکھیں بند کرکے قبول کرنا ہے۔افسوس ہے کہ موجودہ ایام میں ملک کی سیاسی وسماجی اور طبقاتی جماعتوں اور الیکٹرانک میڈیا کی کوئی بھی سرگرمی بغیر خواتین کو نیم برہنہ کیے بغیر نہیں کامیاب ہوتی جس کی وجہ سے اس قبیح عمل کو ملک میں تیزی کے ساتھ فروغ دیا جارہا ہے۔گویا کہ معاشرہ اس قدر باغی و سرکش ہوچکا ہے کہ مذہب وسماج کی مہذب عادات واطوار کا انحراف ببانگ دہل کرتے جابجا نظر آرہا ہے۔اس میں بنیادی قصور والدین کی تربیت کی کمی کا ہے اور اساتذہ کی جانب سے عدم اصلاح کا اہتمام اوراس کے ساتھ ہی حکومت کی جانب سے قانون اسلام وملکی کی دھجیاں بکھیرنے والوں کی عدم سرزنش وگرفت ہے۔اسی طرح کے عمل کا بدترین مظاہرہ اسلام آباد جو کہ اسلام کے ساتھ منسوب ہے میں بھی کیا جاتا ہے کہ چندروز قبل اسلام آباد کے نواحی علاقہ پھلگراں میں شاہ پور کے مقام پر نوجوان لڑکے اورلڑکیاں باہم مل جل کر عیش وعشرت منا رہے تھے کہ اسلام آباد ہائی کورٹ کے سخت ترین ایکشن کے سبب وفاقی پولیس نے کارروائی کرکے 47 لڑکے اورلڑکیاں گرفتار کرلیا۔یہ تو ایک واقعہ ہے جس پر گرفت ہائی کورٹ کے حکم پر کی گئی مگر اس کے علاوہ گیسٹ ہاؤسز،ہوٹلز اور دیگر محافل وتقریبات میں اسلام اور اخلاقیات کی پامالی کرکے قانون مسلمہ کا بے ہودہ مذاق اڑایا جاتا ہے جو کہ باعث شرم وحیا ہے۔اور مادر پدر آزادی کی تحریک کو ملک پاکستان میں اعلی طبقوں اور مغرب این جی اوز کی سرپرستی وتشجیع اور مدد حاصل ہے جس کے سبب ان کے خلاف ہر کوئی کارروائی سے گریزاں رہتا ہے۔جبکہ نظریہ اسلام کا تقاضہ ہے کہ ہم اسلام کی تعلیمات کو پیش نظر رکھتے ہوئے مسلم معاشرے اور مسلم ملک کے اندر شعائر اسلام کی حفاظت کو یقینی بنائیں اور ماں ،بہن ،بیٹی اور بیوی اور منجملہ خواتین کی عزت وعصمت کی حفاظت کیلئے سنجیدہ کوششیں کریں۔اسلامی تعلیمات میں حیاء کو ایمان کا آدھا حصہ قرار دیا گیا ہے جبکہ نبی آخرالزمان ؐ کا فرمان عالی شان ہے کہ جب کسی شخص میں سے حیا پوری ختم ہوجائے تو اس کو آزادی ہے کہ وہ جو چاہے کرگزرے تاہم یوم حساب کے روز اللہ تعالیٰ اس شخص کو عذاب الیم سے دوچار کرینگے کہ جس شخص نے دنیا میں اللہ کا شرم وحیا نہیں کیا کہ وہ ڈھٹائی کے ساتھ حرام اور قبیح افعال کا مرتکب ہوتا رہا ہے تو اللہ تعالیٰ کیونکر اس کو اپنے سایہ رحمت میں پناہ عطاء کریں تاوقتیکہ وہ صدق دل سے توبہ کرلے۔الیکٹرانک میڈیا کی چھان بٹھک کرنے والے ادارہ پیمرا پر بھاری ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ ملک میں فحاشی وعریانی کی طرف مائل کرنے والے اشتہارات،نیوز اینکر اور سیاسی اجتماعات پر پابندی عائد کی جائے اور اسی طرح والدین اساتذہ اور حکومت اپنی عوام،بچوں اور شاگردوں کو اسلامی و مشرقی مہذب تہذیب کا پیروکار بنانے کیلئے کوشش کرنے کے ساتھ مغرب سے آنے والی ثقافت کو مکمل طور پر حکیپ کیا جائے جو کچھ خلاف اسلام اور خلاف اخلاق اور خلاف تہذیب مشرق ہو اس کی سختی کے ساتھ حوصلہ شکنی کرنے کے ساتھ سخت سے سخت کارروائی کرے۔اس کے ساتھ حکومت وانتظامیہ پر یہ ذمہ داری عائد ہوتی ہے کہ پھلگراں اوراس جیسے متعدد واقعات جو جنسی زیادتی کے واقعات ملک میں بے ہنگمی سے وقوع پذیر ہورہے ہیں کے سامنے سد سکندری باندھنے کی ضرورت ہے اور سخت سے سخت ایکشن لینے کی بھی کہ وہ آئندہ کیلئے عبرت کی مثال بن جائیں اور مسلم معاشرے امن وآشتی عفت وعصمت اور حیا کا عملی پیکر بن جائے اور کم سن بچے اور بچیاں سکھ وراحت کا سانس لے سکیں۔جبھی اللہ تعالیٰ کی رحمت وبرکت ہمارے ملک وملت پر نازل ہوگی۔

شیطنت سے نہیں ہے خالی شیخ
اس کی پیدائش احتلام سے ہے
سر جھکاؤں تو اور ٹیڑھے ہو
کیا تمھیں چڑ مرے سلام سے ہے
میر تقی میر

تبصرہ کتاب

"Fundamentals of Research"

مصنف کتاب: ڈاکٹر اقبال حسین اسد

مبصر: محمد نعیم یاد۔ جوہر آباد

تحقیق عربی زبان کا لفظ ہے جس کے معنی کھرے کھوٹے کی چھان بین یا بات کی تصدیق کرنا ہیں، بنیادی طور پر تحقیق کا مقصد حقیقت کا کھوج لگانا ہے۔کسی بھی قوم کی ترقی بغیر تحقیق پر عمل پیرا ہوئے بغیر ممکن نہیں ہے، زندہ قومیں تحقیق کے بل بوتے ترقی کی منزلیں طے کرتی ہیں، تحقیق کا کام عملی تجربے اور وسیع مطالعہ کا غماز ہوتا ہے۔ زیر بحث کتاب Fundamentals of Research تحقیق کے موضوع پر لکھی گئی بنیادی اور عام فہم کتاب ہے۔ یوں تو تحقیق کے موضوع پر بے شمار کتابیں لکھی جا چکی ہیں اور آئندہ بھی لکھی جائیں گی، مگر اس کتاب کی خوبی یہ ہے کہ اس میں تحقیق کے طالب علم کو آسان سے آسان الفاظ میں سمجھانے کی کوشش کی گئی ہے۔

اس کتاب میں مصنفین نے تحقیق کے تمام پہلوؤں کو اجاگر کیا ہے۔دس ابواب پر مشتمل یہ کتاب تحقیق کے تمام تر بنیادی پہلوؤں کا احاطہ کرتی ہے۔انگریزی زبان میں لکھی گئی یہ کتاب تحقیق کے سلسلے میں بنیادی کتاب کا درجہ رکھتی ہے۔جس میں مصنفین نے اپنے گہرے اور وسیع مطالعہ سے طلباء اور اساتذہ کی تحقیق کے حوالے سے ہر ضرورت کو مدِ نظر رکھا ہے اور اُن کی علمی تشنگی کو دور کیا ہے۔تحقیق کا ہر قاری اس کتاب سے مستفید ہو سکتا ہے۔

Title: Fundamentals of Research: A step by step guide with special reference to Pakistan Authors: Dr. Iqbal Hussain Asad, Ayesha Khalid, Iftikhar Hussain.

Publisher: Allied Book Company Lahore.

سلیم شاد۔۔۔ایک گمنام فن کار

نعیم یاد۔۔جوہر آباد (پاکستان)

بالآخر سلیم شاد بھی رُخصت ہوئے۔۔۔ پر کون سلیم شاد؟

پاکستان وہ ملک ہے جہاں ٹیلنٹ کی کمی نہیں مگر کمی ہے تو اس ٹیلنٹ کی پذیرائی کی، فن کار کی حوصلہ افزائی کی۔سلیم شاد ایک ایسی ہی شخصیت جو زندگی میں اپنا کردار خوش اسلوبی سے نبھاتے ہوئے اس دنیا سے چلے گئے مگر آخری دم تک یہ آس لیے کہ شاید بیماری کی حالت میں کوئی سرکاری ادارہ، کوئی شخص تو پرسانِ حال ہو۔۔۔

یہ آج سے کوئی پانچ سال قبل کی بات ہوگی جب مجھے پتہ چلا کہ پڑوس کی کالونی میں ایک شخص نے جس نے قرآنِ پاک کا ایک خوبصورت نسخہ اپنے ہاتھوں سے تحریر کیا ہے اور خطاطی کا نادر نمونہ ہے۔چوں کہ خطاطی سے مجھے خود شغف تھا اس لیے اگلے ہی دن میں ان سے ملنے چلا گیا۔سانولی رنگت اور درمیانے قد کی شخصیت میرے سامنے تھی مگر ایک بات جو ان کی شخصیت میں جاذبِ نظر تھی وہ ان کی چہرے پہ مسکراہٹ اور پھر محبت بھرا برتاؤ۔قرآنِ پاک کے قلمی نسخے کی زیارت کی تو ان کے فن پہ رشک آنے لگا۔بے اختیار ان کے مبارک ہاتھوں کو بوسہ دیا جنھیں رب کریم نے یہ سعادت بخشی تھی۔قرآنِ پاک کے اس کام کے حوالے سے انھوں نے بتایا کہ اس نسخے کو لکھنے کے لیے انھوں نے گھر کے سامنے ایک کریانہ کی دکان بنائی جہاں بیٹھ کے قرآن پاک لکھتے بھی رہتے اور ساتھ جو دکان سے کماتے اس سے سیاہی اور کاغذ کا خرچ پورا کرتے۔قرآنِ پاک کے اس نسخے کے ساتھ انھوں نے خطاطی کے کئی نمونے بھی تیار کیے تھے جنھیں انھوں نے بڑے ہی پیش قیمت فریموں میں سجایا ہوا تھا۔

سلیم شاد کی پہلی کاوش کو ہمارے معاشرے میں جس طرح سے سراہا گیا اس کی داستان آنسوؤں سے لبریز ہے۔قرآن کریم کے اس خوبصورت نسخے کو جب وہ زیارت کے لیے علماء کے پاس لے جاتے تو وہ الزام لگاتے کہ آپ نے یہ نسخہ کمپیوٹر سے پرنٹ کروا کے لکھا ہے، کوئی کہتا کہ پیسا کمانے اور سستی شہرت کا ذریعہ ہے، ان سب باتوں کے باوجود ان کے چہرے پہ صرف مسکراہٹ ہوتی وہ قرآنِ پاک کو سینے سے لگاتے اور گھر واپس آجاتے۔ضلعی سطح پہ جب ان کی اس کاوش کا علم ہوا تو ایک مقامی پریس کلب نے ایک تقریب کا اہتمام کیا جس میں ضلعی ایم پی اے، ایم این اے اور ڈی پی او اور دیگر سیاسی اور علمی شخصیات کو مدعو کیا گیا مگر تقریب کے اختتام پہ بجائے ان کی حوصلہ افزائی کی جاتی، پریس کلب کے عہدداران نے ان سے پیسے بٹور لیے کہ ان لوگوں کے لیے کھانے پینے کا جو انتظام کیا گیا تھا اس کا خرچ آپ کو دینا ہوگا۔

ایک تخلیق کار معاشرے کا ہی فرد ہوتا ہے پر فطری طور پر وہ قدرے حساس زیادہ ہوتا ہے۔ معاشرتی عوامل اس کی شخصیت پہ زیادہ اثر انداز ہوتے ہیں۔سلیم شاد سے پہلی ملاقات کے بعد ان سے جب دوستی کا تعلق بنا تو وہ اپنے اندر کے دُکھ اور کرب کا جب ذکر کرتے تو دل خون کے آنسو روتا تب مجھے ان کی مسکراہٹ کے پیچھے چھپے دُکھ کا احساس ہوتا۔بقول ناصر کاظمی ''ان ہنستے ہونٹوں

کے پیچھے کتنے دُکھ ہیں ہم سے پوچھ''۔۔۔ان سب حالات کے باوجود ان کے اندر حوصلہ کم نہ ہوا اور انھوں نے دوسرے نسخے پہ کام شروع کردیا۔ مجھے انھوں نے دوسرے نسخے کے کچھ اوراق دکھائے تو میں حیران رہ گیا یہ بہت بڑے سائز میں لکھا جانے والا قرآن پاک کا قلمی نسخہ تھا جس کے لیے انتہا کی محنت اور وقت درکار تھا۔ان دنوں وہ کافی علیل بھی تھے اور پھر بیماری کی شدت اتنی بڑھی کہ قرآن پاک کے دوسرے نسخے کا کام رُک گیا۔ان دنوں وہ مختلف ہسپتالوں میں علاج کے لیے جاتے رہے پر افاقہ نہ ہوا۔انہی دنوں ان کے ساتھ سب سے بڑا سانحہ یہ گزرا کہ ان کے دو بھائی جو انہی کے ساتھ رہائش پذیر تھے وفات پا گئے۔اب سارے گھر کی ذمہ داری کا بوجھ بھی انہی کے کندھوں پہ تھا۔ایک طرف اپنی بیماری اور پھر گھر کے مسائل۔۔۔ان دنوں وہ شدید معاشی مسائل کا شکار تھے۔اکثر دورانِ گفتگو رونے لگ جاتے۔پاکستان بیت المال اور دیگر کئی اداروں کا رُخ کیا مگر ہر طرف سے مایوسی کا سامنا کرنا پڑا یہاں تک کہ پاکستان بیت المال کے سابقہ ایم ڈی سے ملاقات بھی کر کے آئے اور اپنی درخواست پیش کی مگر جھوٹے دعوے کر کے انھیں واپس بھیج دیا گیا اور وہ سرکاری امداد کی آس میں وقت بتانے لگے۔

ایک دن جب وہ بہت پریشان تھے میرے سے رابطہ کیا میرے ذہن میں اسلام آباد کی ایک شخصیت سامنے آئی جنھیں میں خود جانتا نہیں تھا پر سنا تھا کہ جب کوئی سائل ان کے پاس گیا وہ کچھ نہ کچھ مدد ضرور کرتے ہیں۔میں نے انہیں درخواست کی کہ آپ اپنا مسئلہ انھیں لکھ کر بھیجیں شاید وہ کچھ کر دیں۔رب کا کرنا یہ ہوا کہ اسلام آباد سے ان کو فون آ گیا اور انھوں نے کہا کہ سلیم شاد صاحب! ہم آپ کا علاج تو نہیں کروا سکتے پر کچھ نہ کچھ مالی امداد کر سکتے ہیں۔گو وہ رقم اتنی نہیں تھی کہ ان کا مسئلہ حل ہو جاتا مگر میرے کانوں میں آج تک ان کے پیار بھرے وہ دعائیہ الفاظ گونجتے ہیں جب وہ روتے ہوئے فون پہ کہہ رہے تھے کہ آج جب چیک ملا ہے میرے سامنے قرآن پاک کا نسخہ پڑا ہے اور آنکھیں آنسوؤں سے تر ہیں اور زبان پہ آپ کے لیے اور ان شاہ صاحب کے لیے جنھوں نے امداد کی دعائیں نکل رہی ہیں۔''

سلیم شاد ان دنوں کئی بیماریوں کا مقابلہ کر رہے تھے ایک وقت تو ایسا آیا کہ ایک ماہ تک وہ بے ہوش رہے پھر اللہ نے انھیں کچھ ہمت حوصلہ دیا جب بھی صحت ملتی وہ قرآن پاک کے دوسرے نسخے پہ کام شروع کر دیتے۔شدید بیماری اور علالت کے باوجود ان کی ہمت اور حوصلہ قائم رہا۔اللہ تعالیٰ نے ان کی اس محنت کا صلہ اس طرح دیا کہ قرآن پاک کا دوسرا قلمی نسخہ بھی تکمیل کو پہنچا۔قرآن پاک کا یہ نسخہ ایک عظیم شاہکار تھا۔ایک ایک لفظ ان کی محنت کا عکاس تھا۔جب میں مبارک دینے اور زیارت کے لیے پہنچا تو اس دن ان کا چہرہ خوشی سے دمک رہا تھا۔پر میرے سامنے ان کی ذاتی زندگی کے وہ مسائل تھے جنھیں اب وہ کوشش کے باوجود بھی میرے سے چھپا نہیں سکتے تھے۔

دوسرے نسخے کے ساتھ وہ ایک اور منفرد کام کپڑے پہ کڑھائی کے ذریعے تیسرا نسخہ لکھنا چاہتے تھے پر بیماری ان کے اس کام کے آگے سوالیہ نشان لیے کھڑی تھی پھر سب سے بڑھ کے گھریلو ذمہ داری۔ایک بار پھر وہ شدید بیماری کی لپیٹ میں تھے۔علاج کا خرچ ان کی اوقات سے بڑھ کے تھا۔باوجود جانتے ہوئے کے کہ انھیں سرکاری اداروں سے کچھ نہیں ملنے والا وہ پھر بھی آس اور امید کے دیپ جلائے ان کا رُخ کرتے رہے پر شاید ان نام نہاد سرکاری امدادی اداروں سے کسی وزیر کا علاج تو ہو سکتا تھا مگر ایک کاتبِ قرآن پاک کا علاج ممکن نہیں تھا۔نومبر ۲۰۱۹ء میں جب مجھے ایک ایوارڈ تقریب کے سلسلے میں گجرات جانا ہوا تو وہاں میری ملاقات اوکاڑہ کے مشہور خطاط مغل صاحب سے ہوئی میں نے سلیم شاد صاحب کا تذکرہ کیا کہ کوئی خطاطی کی ایسوسی ایشن یا تنظیم ہے جو ان کی مدد کر سکے؟ انھوں نے کہا وہ پتہ کر کے بتائیں گے۔اگلے دن جب میں جوہر آباد واپس پہنچا تب مجھے پتہ چلا سلیم شاد تو اس دنیا میں نہیں رہے۔دل تھا کہ اس بات کو تسلیم کرنے سے انکاری تھا۔ان کا ہنستا مسکراتا چہرہ اور پیار بھری گفتگو میں کیسے بھلا سکتا تھا۔ موت اٹل حقیقت ہے۔سلیم شاد اب اس دنیا میں نہیں رہے اور وہ آخری دم تک ایک آس اور امید لے کر جیتے رہے کہ شاید کوئی ادارہ ان کی مدد کر سکے۔پاکستان جو اسلامی ریاست کے طور پہ جانا جاتا ہے کیا اس ریاست میں ایک کاتبِ قرآن کی کوئی حیثیت اور کوئی مقام و مرتبہ نہیں۔ایک ریاست جہاں پہ ناچنے گانے والوں کو تو اعزازی ایوارڈ دے کر یہ کہا جاتا ہے کہ یہ ہمارے ملک کا سرمایا ہیں مگر ایک کاتبِ قرآن اپنے علاج کے لیے دربدر بھٹک رہا ہے۔ایسے سرکاری ادارے جو مالی امداد کے طور پر کام کر رہے ہیں مگر افسوس وہاں بھی کسی وزیر کی سفارش کے بغیر عام آدمی کو امداد نہیں مل سکتی۔خطاطی ہماری تہذیب ہماری ثقافت اور ہماری مذہبی پہچان ہے اس لحاظ سے ایک خطاط اور پھر خطاطی میں قرآن پاک کے ایک نہیں دو قلمی نسخے لکھنے والے شخص کا مقام اور مرتبہ معاشرے میں کیا ہونا چاہیے؟

سلیم شاد جیسے کئی لوگ اس دھرتی کا فخر ہیں مگر افسوس اس دھرتی کی باگ دوڑ جن لوگوں کے ہاتھ میں ہے وہ ان ہیروں کی قدر نہیں جانتی۔ مجھے آج منشاء یاد کے ناول ''راہیں'' کا کردار میاں عبدل یاد آ رہا ہے جو اپنی آواز میں ہیر ریکارڈ کروانے شہر جاتا ہے اور کوئی جیب کترا اس کی رقم اور کیسٹ کمپنی کا پتہ اُڑا لے جاتا ہے۔پولیس میاں عبدل کو مشکوک سمجھ کے تھانے میں بند کر دیتی ہے پھر بڑی مشکل سے وہاں سے رہا ہو کر جب وہ گاؤں واپس آتا ہے اور اپنی کہانی مرکزی کردار خالد کو سناتا ہے تو وہ کہتا ہے ''میاں اس معاشرے میں کسی اچھائی، خوبی، ہنر اور حسن کی کوئی قدر نہیں۔یہ کسی مہذب سوسائٹی کے افراد نہیں بے سمت لوگوں کا ریوڑ ہے۔تم گایا کرتے ہونا۔۔۔پھُل اگ دے وچ نہ ساڑیئے جی۔مگر اس رہن سہن میں پھولوں کو آگ میں جلایا جاتا ہے۔عام لوگوں کے آگے بڑھنے کے راستے بند ہیں۔۔۔یہ معاشرہ تم جیسے آدمی کی قدر نہیں کرے گا۔ان بدّ ولوگوں کی معاشرت میں اَدب، موسیقی اور آرٹ کی کوئی گنجائش نہیں۔یہ گلاب کی پھول کی خوشبو اور خوبصورتی سے لطف نہیں اُٹھا سکتے، اس کی گلقند بنا کر کھانے کو ترجیح دیتے ہیں۔''

سلیم شاد بھی ایسے ہی پھول تھے جو خاموشی سے اپنی خوشبو بکھیرتے رہے۔انھوں نے اپنی زندگی میں اپنے کام سے ایک منفرد نام بنایا، چاہے کوئی اس کی قدر کرے یا نہ کرے۔سلیم شاد اب ہمارے درمیان نہیں ہیں، مگر ایسے کئی سلیم شاد آج بھی اس معاشرے میں جی رہے ہیں اور اپنے اپنے کارنامے سرانجام دے رہے اور دیتے رہیں گے۔حکومت ان کے لیے کچھ نہ کرے مگر ایک کام اربابِ اختیار کو ضرور کرنا چاہیے وہ یہ کہ مالی امداد جیسے تمام سرکاری ادارے ختم کر دیں تا کہ آنے والے وقت میں کوئی سلیم شاد اس دنیا سے یہ آس اور امید نہ لے کر جائے کہ شاید یہ ادارے ان کی مدد کر سکیں۔

شعروشاعری

”کوئی دیوار سی گری ہے ابھی“

ناصرؔ کاظمی

دل میں اک لہر سی اٹھی ہے ابھی
کوئی تازہ ہوا چلی ہے ابھی

کچھ تو نازک مزاج ہیں ہم بھی
اور یہ چوٹ بھی نئی ہے ابھی

شور برپا ہے خانۂ دل میں
کوئی دیوار سی گری ہے ابھی

بھری دنیا میں جی نہیں لگتا
جانے کس چیز کی کمی ہے ابھی

تُو شریکِ سخن نہیں ہے تو کیا
ہم سخن تیری خامشی ہے ابھی

یاد کے بے نشاں جزیروں سے
تیری آواز آ رہی ہے ابھی

شہر کی بے چراغ گلیوں میں
زندگی تجھ کو ڈھونڈتی ہے ابھی

سو گئے لوگ اس حویلی کے
ایک کھڑکی مگر کھلی ہے ابھی

تم تو یارو ابھی سے اٹھ بیٹھے
شہر میں رات جاگتی ہے ابھی

وقت اچھا بھی آئے گا ناصرؔ
غم نہ کر زندگی پڑی ہے ابھی

”خنجر کی طرح دل میں اتر کیوں نہیں جاتے“

حسین تاؔج رضوی

اس حال میں جیتے ہو تو مر کیوں نہیں جاتے
یوں ٹوٹ چکے ہو تو بکھر کیوں نہیں جاتے

کیسے ہیں یہ ارمان یہ کاوش یہ تگ و دو
منزل نہیں معلوم تو گھر کیوں نہیں جاتے

اشکوں کی طرح کیوں مری پلکوں پہ رکے ہو
خنجر کی طرح دل میں اتر کیوں نہیں جاتے

مانا کہ یہ سب زخم جگر تم نے دیئے ہیں
مرہم سے کسی اور کے بھر کیوں نہیں جاتے

آئینہ ہے ماحول ہے اسباب ہیں تم ہو
خاطر مری اک بار سنور کیوں نہیں جاتے

بے خود تھے کیا غیر سے وعدہ مجھے منظور
آیا ہے اگر ہوش مکر کیوں نہیں جاتے

اے تاؔج امیدوں کے یہ موسم بھی عجب ہیں
ہر رت کی طرح یہ بھی گزر کیوں نہیں جاتے

”تم بھی تو بے اماں ہوئے ہم کو ستالیا تو کیا“

عبیداللہ علیم

دل ہی تھے ہم دکھے ہوئے تم نے دکھا لیا تو کیا
تم بھی تو بے اماں ہوئے ہم کو ستا لیا تو کیا

آپ کے گھر میں ہر طرف منظر ماہ و آفتاب
ایک چراغ شام اگر مَیں نے جلا لیا تو کیا

باغ کا باغ آپ کی دسترس ہوس میں ہے
ایک غریب نے اگر پھول اٹھا لیا تو کیا

لطف یہ ہے کہ آدمی عام کرے بہار کو
موج ہوائے رنگ میں آپ نہا لیا تو کیا

اب کہیں بولتا نہیں غیب جو کھولتا نہیں
ایسا اگر کوئی خدا تم نے بنا لیا تو کیا

جو ہے خدا کا آدمی اس کی ہے سلطنت الگ
ظلم نے ظلم سے اگر ہاتھ ملا لیا تو کیا

آج کی ہے جو کربلا کل پہ ہے اس کا فیصلہ
آج ہی آپ نے اگر جشن منا لیا تو کیا

لوگ دکھے ہوئے تمام رنگ بجھے ہوئے تمام
ایسے میں اہل شام نے شہر سجا لیا تو کیا

پڑھتا نہیں ہے اب کوئی سنتا نہیں ہے اب کوئی
حرف جگا لیا تو کیا شعر سنا لیا تو کیا

”دیوار جانتا تھا جسے میں وہ دھول تھی“

جون ایلیا

سینہ دہک رہا ہو تو کیا چپ رہے کوئی
کیوں چیخ چیخ کر نہ گلا چھیل لے کوئی

ثابت ہوا سکون دل و جاں کہیں نہیں
رشتوں میں ڈھونڈھتا ہے تو ڈھونڈا کرے کوئی

ترک تعلقات کوئی مسئلہ نہیں
یہ تو وہ راستہ ہے کہ بس چل پڑے کوئی

دیوار جانتا تھا جسے میں وہ دھول تھی
اب مجھ کو اعتماد کی دعوت نہ دے کوئی

میں خود یہ چاہتا ہوں کہ حالات ہوں خراب
میرے خلاف زہر اگلتا پھرے کوئی

اے شخص اب تو مجھ کو سبھی کچھ قبول ہے
یہ بھی قبول ہے کہ تجھے چھین لے کوئی

ہاں ٹھیک ہے میں اپنی انا کا مریض ہوں
آخر مرے مزاج میں کیوں دخل دے کوئی

اک شخص کر رہا ہے ابھی تک وفا کا ذکر
کاش اس زباں دراز کا منہ نوچ لے کوئی

”ہزار بار ہم آئیں ہمیں بلاؤ بھی“

مصطفیٰ زیدی

وہ عہد عہد ہی کیا ہے جسے نبھاؤ بھی
ہمارے وعدۂ الفت کو بھول جاؤ بھی

بھلا کہاں کے ہم ایسے گمان والے ہیں
ہزار بار ہم آئیں ہمیں بلاؤ بھی

بگڑ چلا ہے بہت رسم خودکشی کا چلن
ڈرانے والو کسی روز کر دکھاؤ بھی

نہیں کہ عرض تمنا پہ مان ہی جاؤ
ہمیں اس عہد تمنا میں آزماؤ بھی

فغاں کہ قصۂ دل سن کے لوگ کہتے ہیں
یہ کون سی نئی افتاد ہے ہٹاؤ بھی

تمہاری نیند میں ڈوبی ہوئی نظر کی قسم
ہمیں یہ ضد ہے کہ جاگو بھی اور جگاؤ بھی

”ہم فقیروں پر کسے تم نے بھی آوازے بہت“

شبابؔ للت

آ گیا ہے وقت اب بھگتو گے خمیازے بہت
ہم فقیروں پر کسے تم نے بھی آوازے بہت
تم نے جو قصے کیے منسوب میری ذات سے
تھی حقیقت ان میں تھوڑی اور اندازے بہت
جن کو اپنی کامیابی کا بڑا پندار تھا
ہم نے دیکھے ہیں بکھرتے ان کے شیرازے بہت
گھٹ نہ جائے دم کہیں نفرت کے اس ماحول میں
کر لئے ہم نے مقفل دل کے دروازے بہت
شہر کے میلے میں یوں تو گل رخوں کی بھیڑ تھی
ان میں چہرے تھے مگر کم اور تھے غازے بہت
بس وہی ہوگا رضا کو تیری جو منظور ہے
کام آئیں گے نہ کمپیوٹر کے اندازے بہت
ہم نے ٹھکرائے نہ جانے کتنے آنکھوں کے پیام
مہ وشوں نے ہم پہ کھولے دل کے دروازے بہت
رفتہ رفتہ وقت کے مرہم سے بھر ہی جائیں گے
عشق نے جو زخم بخشے ہیں ابھی تازے بہت
ہم شریف انساں شبابؔ اس گھر میں نا محفوظ ہیں
اس میں دروازے تو کم ہیں چور دروازے بہت

”چلو یہ آخری رشتہ بھی آج ختم ہوا“

روبینہ سونی تابشؔ

طلسم نشہ دنیا بھی آج ختم ہوا
جو ہو رہا تھا تماشہ بھی آج ختم ہوا

ملا جو اس سے تو اس نے بھی پھیر لی نظریں
چلو یہ آخری رشتہ بھی آج ختم ہوا
گرا زمیں پہ ستارہ یہ کس کے مژگاں سے
یہ کس کے دل کا سہارا بھی آج ختم ہوا
ملے جو برسوں کے پیاسے تو ایسے ایک ہوئے
کہ احتیاط کا پہرہ بھی آج ختم ہوا
جو رفتہ رفتہ ہوئی ختم وضع دیرینہ
محبتوں کا سلیقہ بھی آج ختم ہوا
تمہاری یاد سے سمجھوتہ کر لیا میں نے
خیال وعدۂ فردا بھی آج ختم ہوا
نہ جانے کیسے تجھے اپنا مان بیٹھا تھا
مری نظر کا وہ دھوکہ بھی آج ختم ہوا
ترے تغافل پیہم نے کر دیا مایوس
مرا وہ ذوق تمنا بھی آج ختم ہوا
وہ دل بھی لے گئے پہلو سے اٹھ کے اے تابشؔ
یہ روز روز کا جھگڑا بھی آج ختم ہوا

”زہر امرت کے ساتھ گھولتا ہے“

اکبرؔ حمیدی

دل کی گرہیں کہاں وہ کھولتا ہے
چاہتوں میں بھی جھوٹ بولتا ہے
سنگ ریزوں کو اپنے ہاتھوں سے
موتیوں کی طرح وہ رولتا ہے

کیسا میزان عدل ہے اس کا
پھول کانٹوں کے ساتھ تولتا ہے

ایسا وہ ڈپلومیٹ ہے اکبر
زہر امرت کے ساتھ گھولتا ہے

”غریب کے خیالوں میں منکر نکیر ہوتے ہیں“

جہانگیر خاں

جو تیری زلف کے اسیر ہوتے ہیں
ہر دور میں قابل تعزیر ہوتے ہیں
جہاں غلامی در غلامی ہوتی ہے وہاں
اہل دانش کم ، جاہل کثیر ہوتے ہیں
نفس کے قیدی ہوں یا خود پسند
تہی دامن بدحال لاچار فقیر ہوتے ہیں
ذرا بچ کے رہنا شیخ زاہد سے
ترکش میں انکے زہریلے تیر ہوتے ہیں
جہاں جہالت ، کمینگی پھلتی پھولتی ہے
وہی بدنصیب معاشرے زوال پذیر ہوتے ہیں
ارباب اختیار کو کسی کا ڈر نہیں ہوتا
غریب کے خیالوں میں منکر نکیر ہوتے ہیں
جب وہ بولیں منہ سے پھول جھڑیں
ایسے پاک باطن بے نظیر ہوتے ہیں
ہر بات کا حساب ہوتا ہے صاحب
کہیں بھی جو الفاظ تحریر ہوتے ہیں

”ملے الفت نہ جس دَر سے تو وہ دہلیز کیا ہوگی“

منیرؔ احمد باجوہ

دلوں پر اثر نہ چھوڑے تو وہ تقریر کیا ہو گی
دلوں میں جذب نہ ہو جو تو وہ تحریر کیا ہو گی
خوابوں میں بہلتی جا رہی ہے زندگی اپنی
بسر ہو گر خوابوں میں تو پھر تعبیر کیا ہو گی
عمر رانجھے کی گزری ساری ویرانوں میں بیلوں میں
وصل ہو جس سے نا ممکن بھلا وہ ہیر کیا ہو گی
نگاہوں میں تیری نہ ہو اگر الفت میرے ہمدم
ملے الفت نہ جس دَر سے تو وہ دہلیز کیا ہو گی
دلوں کو باندھنے کی سکت جس کو نہ میسر ہو
وہ سونے کی بھی ہو ایسی بھلا زنجیر کیا ہو گی
یہ مَن میں آ بسی ہے بات جانا ہی نہیں یاں سے
نکل جائے جو ہاتھوں سے تو وہ جاگیر کیا ہو گی
حقیقت کی طرف اُٹھتی نہیں ہے آنکھ اک پل بھی
نہ ہوگا امتحان کوئی تو پھر تعزیر کیا ہو گی
تصور ہی تصور ہے خوابیں ہی خوابیں ہیں
بھلا ان دھندلکوں میں زیست کی تصویر کیا ہو گی
منیرؔ پورا نہ ہو مقصد تیرا دنیا میں آنے کا
خطاؤں غفلتوں میں ہی تیری تقدیر کیا ہو گی

”یہ نئے مزاج کا شہر ہے ذرا فاصلہ سے ملا کرو“

بشیر بدر

وہ غزل کی سچی کتاب ہے اسے چپکے چپکے پڑھا کرو
کوئی ہاتھ بھی نہ ملائے گا جو گلے ملو گے تپاک سے
یہ نئے مزاج کا شہر ہے ذرا فاصلہ سے ملا کرو
ابھی راہ میں کئی موڑ ہیں کوئی آئے گا کوئی جائے گا
تمہیں جس نے دل سے بھلا دیا اسے بھولنے کی دعا کرو
مجھے اشتہار سی لگتی ہیں یہ محبتوں کی کہانیاں
جو کہا نہیں وہ سنا کرو جو سنا نہیں وہ کہا کرو

کبھی حسن پردہ نشیں بھی ہو ذرا عاشقانہ لباس میں
جو میں بن سنور کے کہیں چلوں مرے ساتھ تم بھی چلا کرو
نہیں بے حجاب وہ چاند سا کہ نظر کا کوئی اثر نہ ہو
اسے اتنی گرمی شوق سے بڑی دیر تک نہ تکا کرو
یہ خزاں کی زرد سی شال میں جو اداس پیڑ کے پاس ہے
یہ تمہارے گھر کی بہار ہے اسے آنسوؤں سے ہرا کرو

”ملا ہے درد وہ دل کو کہ دل سے جا نہیں سکتا“

اسرارالحق مجازؔ

میں آہیں بھر نہیں سکتا کہ نغمے گا نہیں سکتا
سکوں لیکن مرے دل کو میسر آ نہیں سکتا
کوئی نغمے تو کیا اب مجھ سے میرا ساز بھی لے لے
جو گانا چاہتا ہوں آہ وہ میں گا نہیں سکتا
متاع سوز و ساز زندگی پیمانہ و بربط
میں خود کو ان کھلونوں سے بھی اب بہلا نہیں سکتا
وہ بادل سر پہ چھائے ہیں کہ سر سے ہٹ نہیں سکتے
ملا ہے درد وہ دل کو کہ دل سے جا نہیں سکتا
ہوس کاری ہے جرم خودکشی میری شریعت میں
یہ حد آخری ہے میں یہاں تک جا نہیں سکتا
نہ طوفاں روک سکتے ہیں نہ آندھی روک سکتی ہے
مگر پھر بھی میں اس قصر حسیں تک جا نہیں سکتا
وہ مجھ کو چاہتی ہے اور مجھ تک آ نہیں سکتی
میں اس کو پوجتا ہوں اور اس کو پا نہیں سکتا
یہ مجبوری سی مجبوری یہ لاچاری سی لاچاری
کہ اس کے گیت بھی دل کھول کر میں گا نہیں سکتا
زباں پر بے خودی میں نام اس کا آ ہی جاتا ہے
اگر پوچھے کوئی یہ کون ہے بتلا نہیں سکتا
کہاں تک قصۂ آلام فرقت مختصر یہ ہے
یہاں وہ آ نہیں سکتی وہاں میں جا نہیں سکتا
حدیں وہ کھینچ رکھی ہیں حرم کے پاسبانوں نے
کہ بن مجرم بنے پیغام بھی پہنچا نہیں سکتا

”آپ کی یاد میں دل مچلتا رہا“

اعزاز احمد اعزازؔ

آپ کے غم میں اکثر مَیں جلتا رہا
راستہ نہ ملا پھر بھی مَیں چلتا رہا
سوچتا ہوں کہ کیونکر لٹا یہ دِل
آگ کیسی تھی کیسا مَیں جلتا رہا
بے قراری کا عالم رہا شب و روز
آپ کی یاد میں دل مچلتا رہا
کوئی پرسانِ غم نہ رہا دہر میں
تپتے صحرا میں تنہا پگھلتا رہا
وَصلِ اُلفت کی تمنّا لیے
ہجر کا زہر بھی مَیں نگلتا رہا
پاس اعزازؔ کے وہ نہیں ہیں تو کیا
ان کی امید سے دل سنبھلتا رہا

ہر قدم پر نئی دیوار اٹھانے والے
بڑے آئے مجھے تہذیب سکھانے والے
سات پردوں میں تجھے ڈھونڈھ ہی لیں گے رخشاںؔ
چین سے رہنے کہاں دیں گے زمانے والے

رخشاںؔ ہاشمی

RH ACCIDENT CLAIM SERVICES LTD

Give us a call on **020 3674 7909**

RH ACCIDENT CLAIM SERVICES LTD

free professional, friendly and confidential advice

24 Hours Phone Service - 7 Days a Week DIAL 07792998973

Have you been injured in an accident that wasn't your fault?

If so, we're here to help

REPLACEMENT CAR WITHIN 24 HOURS

Loss of earnings - Protection of no claim - storage and recovery - personal injury - replacement car

Road Accident

Personal Injury

Accident at Work

Fall, Slip & Trip

Personal Injury Specialist

No win No fee

2 London Road, SM4 5BQ Morden - Surrey

Opening Hours: Mon-Fri 10:00 - 17:00

Tel. 020 3674 7909 Mob. 077 9299 8973

Email: info@rhacs.co.uk

TAKE AWAY - DELIVERY
OPEN 7 DAYS A WEEK
TILL LATE

ZheGerman
DONER & SHAKE

DONER KEBAB
£5.99

WITH FRIES & DRINK
£7.99

Seriously German Kebabs...

Follow us ZheGermanUK

Free Delivery Call us

TEL: 020 3638 4216

Delivery Prices are Different

Website Order 10% OFF

www.zhegerman.com

BRANCH 1 : 21 Morden court Parade, Morden SM4 5HJ
BRANCH 2 : Broadway Market, Tooting High Street London Sw17 0RJ

100% HALAL

FOR DELIVERY, ORDER VIA OUR DELIVERY PARTNERS
UBER eats
JUST EAT
deliveroo